84

مرتّبہ: ڈاکٹر وحید قریشی
مولانا حسرت موہانی

میری لائبریری

دیوانِ آتش
(انتخاب)

تجزیہ اور تنقید

میری لائبریری میں 1.50
مجلد 3.00

دیوان آتش

میری لائبریری

(۸۴)

خواجه (آتش) جب داخلی رنگ اختیار فرماتے هیں تو غضب کی طبیعت داری دکھا جاتے هیں (ان کی غزل کے اشعار) ارفع درجه کے واردات قلبیه سے تعلق رکھتے هیں ، بلاشبه خواجه کا رنگ یہی هے اور اس رنگ کی بدولت خواجه کی شہرت تمام ان دیار میں هے جہاں اردو بولی جاتی هے ۔

(امداد امام اثر)

آتشِ محض مرصع ساز هی نه تها بلکه سوچنے والا اور غور کرنے والا شاعر تها ۔ اس کو تجزیه کرنا آتا تها ۔ وه نرا قافیه پیما نه تها حقائق شناس بهی تها ۔ لکهنؤ کے عام شاعروں سے زیاده ۔ بہت زیاده ۔

(ڈاکٹر سید عبداللہ)

آتش کی یه خصوصیات اس انتخاب میں ملاحظه فرمائیے ۔

دیوانِ آتش

انتخاب

ڈاکٹر وحید قریشی
حسرت موہانی

میری لائبریری لاہور ۸

میری لائبریری میں ادب و افسانہ کی دوسری کتابیں

غبارِ خاطر، ابوالکلام آزاد
دیوانِ غالب اُردو،
دیوانِ غالب فارسی،
لذّتِ آوارگی، اے ڈی، اظہر
ادب کا تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر سلام سندیلوی
اُردو کا بہترین انشائی ادب، ڈاکٹر وحید قریشی
پنجابی ادب کی مختصر تاریخ، احمد حسین قریشی
متاعِ ادب، اظہر زیدی
زادِ راہ، پریم چند
میرزا ادیب کے بہترین افسانے مرتب عرش صدیقی
ندیم قاسمی کے بہترین افسانے مرتب مظفر علی سیّد
خوشبو کے گھاؤ، نوید انجم
فاصلے، سیدہ عفرا بخاری
زندگی کے موڑ پر، چالیس آپ بیتیاں
چاند روشن نہیں، عبدالحمید نظامی
تیسری عورت، اکمل علیمی
۱۹۶۳ء کے منتخب افسانے، مرتبہ ڈاکٹر احراز نقوی
منزل منزل دل بھٹکے گا، عنایت اللہ
میدان عمل، پریم چند
میرے بہترین افسانے، پریم چند
انتخاب غالب، اختر عباس

حماقتیں، شفیق الرحمٰن
لہریں، شفیق الرحمٰن
مزید حماقتیں، شفیق الرحمٰن
پرواز، شفیق الرحمٰن
افق سے افق تک، آغا اشرف
ڈوب ڈوب کر ابھری ناؤ (رپورتاژ) سلمیٰ عنایت
راجا صاحب، شوکت تھانوی
دغاباز، کمال احمد رضوی
فسانۂ مبتلا، مولوی نذیر احمد دہلوی
میرے بھی صنم خانے، قرۃ العین
ننگی دھرتی، مس آئی لن چانگ
سلطانی محلوں کے راز، عبدالرزاق ملیح آبادی
روپ متی، سید فیاض حسین
پتھر کا دیس، عادل رشید
سہرے کے پھول، عادل رشید
آہٹیں، عادل رشید
دل بھولتا نہیں، جعفر علی سید
قلوپطرہ، آرتھر ویگل
کرن کرن اندھیرا، آغا اشرف
لفنگے کی ڈائری، کمال احمد رضوی

میری لائبریری میں پہلی مرتبہ

۱۹۶۴ء

طابع: پاکستان ٹائمز پریس لاہور
ناشر: مکتبہ میری لائبریری لاہور ۸

ناشر کی طرف سے

میری لائبریری نے ایک نیا سلسلہ کتب شروع کیا ہے۔ اس سے قبل افسانوی انتخابات کا سلسلہ اشاعت شروع ہو چکا ہے۔ اب اشعار کے انتخابات کی طرح ڈالی گئی ہے۔ ہمارے قدیم شعری سرمائے میں ہنگامی موضوعات سے قطع نظر آج کے قاری کے لئے بہت کچھ دلچسپی کا سامان موجود ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے چند برس قبل انتخاب سودا ترتیب دیا تھا۔ اب میری لائبریری کی اسی سلسلہ انتخاب کا آغاز بھی وہی کر رہے ہیں۔ کلام آتش میں بھی وہی اصول پیش نظر ہیں جن کا اہتمام انتخاب سودا میں ملحوظ تھا اور وہ عناصر مرکز توجہ ہیں جن میں نئے طرز احساس سے مطابقت پائی جاتی ہے۔ شروع میں آتش کی غزل گوئی کا تفصیلی جائزہ بھی شامل ہے۔ انتخاب کے متن میں ان اشعار پر "ح" کا نشان لگا دیا گیا ہے جو انتخاب سخن (حسرت موہانی) میں شامل تھے اور آج کے قاری کے لئے بھی جاذب توجہ ہیں۔ آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے جس میں انتخاب حسرت کے وہ تمام اشعار درج ہیں جو قریشی صاحب کے انتخاب میں شامل نہیں اور صرف انتخاب سخن میں پائے جاتے ہیں۔ متن کتاب سے ان اشعار کی غیر حاضری ذوق شعر کے اس فرق کو ظاہر کرتی ہے جو حسرت موہانی اور دور حاضر میں پیدا ہو چکا ہے۔ حسرت کا انتخاب بلاشبہ اپنے دور کا نمائندہ اور جامع ترین انتخاب ہے۔ ان کی شاعری اور تنقیدی صلاحیت سے تو اختلاف ممکن ہے لیکن ذوق شعر کے بارے میں حسرت کا مقام مسلم ہے۔ نیز انتخاب حسرت سے ہمارے ذوق شعر کے تدریجی ارتقا کا پتا چلتا ہے۔ حسرت کا انتخاب ہمارے تنقیدی شعور کی تربیت میں بھی اہم رہا ہے اور بعض شعرا کے انفرادی رجحانات کی نشاندہی نقاد حسرت کے انتخاب کی مدد ہی سے کرتے رہے ہیں۔ نیز اس میں وہ شعرا بھی شامل ہیں جن کے دیوان ابھی تک شائع نہیں ہوتے۔ ان افادی حیثیتوں کے پیش نظر ادارہ میری لائبریری نے فیصلہ کیا ہے کہ نئی طرز کے انتخابات کے ساتھ ساتھ انتخاب سخن کو محفوظ کر لیا جائے

اس سلسلے کی عنقریب شائع ہونے والی دوسری کتابیں دیوان دلی، دیوان مصحفی، دیوان انشا دیوان نظیر اکبر آبادی ہوں گی۔ قارئین کا تعاون اور حوصلہ افزائی شامل حال رہی تو ادارہ اس سلسلہ کی کتابیں شائع کرتا رہے گا۔ وما توفیقی الا باللہ

بشیر احمد چودھری

ترتیب

ڈاکٹر وحید قریشی

آتشؔ کی غزل گوئی

اودھ کی سرزمین آتشؔ کا گہوارہ تھی۔ یہاں کے گلی کوچے دلّی کے برباد شدہ ایوانوں کی مٹی سے تعمیر ہوئے تھے۔ دلّی کے خوش نوا فیض آباد کی گلیوں کی زینت بنتے رہے۔ یہ سلسلہ کم و بیش ایک ربع صدی پر حاوی ہے۔ پھر لکھنؤ کا نصیبہ جاگا اور عظمتِ رفتہ کے نقیب یہاں اٹھ آئے۔ برصغیر میں آتشؔ کے اجداد کا پہلا وطن دلّی تھا۔ پھر یہ لوگ فیض آباد آئے جہاں شجاع الدولہ کے زمانے میں امن و راحت کی ایک اچھی فضا قائم ہو چکی تھی۔ ابدالی کے حملوں نے دلّی کا سہاگ لوٹ لیا تھا۔ مرہٹوں کی پیہم یورشیں بھی کچھ کم خطرناک نہ تھیں۔ دلّی کی اقتصادی حالت بہت مخدوش ہو چکی تھی۔ ان حالات نے وہاں بسنے والوں کو دوسرے علاقوں میں جانے پر مجبور کر دیا۔ بعض خاندان روہیل کھنڈ میں پھیل گئے جہاں بعض امن موجود تھے۔ بعض نے اودھ کا

رخ کیا اور سرسبز ہوئے۔ کچھ قناعت پر تکیہ کیے دلّی میں ڈٹے رہے۔ آتش کا خاندان اودھ آیا اور فیض آباد میں فروکش ہوا۔ آتش یہیں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔ ابھی ان کا بچپن ہو گا کہ آصف الدولہ نے دارالحکومت لکھنؤ بنا لیا۔ فیض آباد کی بیشتر رونق لکھنؤ اٹھ آئی۔ شعراء و ادباء کا رُخ بھی ادھر ہی کو ہو گیا۔

ادبی لحاظ سے فیض آباد کی شعری تحریک کا بنیادی رشتہ دلی کے دبستانِ شعر سے ملتا ہے۔ دہلوی شعراء کی آمد خاص کر سودا کے فیض آباد آجانے سے دہلوی شعرا کی تازہ گوئی ہی کے زیرِ اثر اودھ کی شاعری پھلی پھولی۔ یہ صحیح ہے کہ سودا سے قبل میر ضیا وغیرہ کی وجہ سے سنگلاخ زمینوں اور رعایتِ لفظی کا کچھ چرچا ضرور تھا لیکن یہ رجحان اہمیت اختیار نہ کر سکا۔ زبان میں بھی دہلوی محاورے اور روزمرہ کا رس تھا۔ پھر رفتہ رفتہ مقامی اثرات نے سر اٹھایا۔ ایہام گوئی کے خلاف ردِ عمل جو دلّی میں شروع ہوا تھا اور جس کے لئے فارسی ادب نے نمونے مہیا کئے تھے اودھ میں بھی برسرِ کار رہا۔ تازہ گوئی ایک سیدھے سادے تغزل کی تحریک تھی جس کے اولین نمونے پاک و ہند میں اکبری دور سے ملتے ہیں۔ فارسی شاعری کی یہ جاندار اور ادبی روایت میر و سودا کے دور میں اودھ میں آئی۔ یہ دہلوی شاعری ایک ایسے دور کی پیداوار ہے جب سوسائٹی زوال پذیر ہو چکی تھی۔ ہر طرف بے اطمینانی اور افراتفری کا دور دورہ تھا۔ ہماری شاعری کے موضوعات اس اثر سے نہ بچ سکے۔ زندگی کی ناپائیداری کا احساس، اپنے ذاتی غم کا اظہار اور دروں بینی چاہے تصوف کا مسلک ہو چاہے عشق و عاشقی

کا شعار ہو ہر جگہ غم و الم کی لہر نمایاں ہے۔ ایسے میں دنیاوی شان و شوکت
اور درباری رکھ رکھاؤ کی طرف تو دھیان کبھی کبھار ہی جا سکتا ہے۔ میر و سودا
کے ساتھ یہ تصورات اودھ پہنچے۔ اودھ کی ریاست اقتصادی طور پر دلی کے
مقابلے میں امن کی بہتر ضامن تھی۔ درباری رنگ رلیاں دربار سے نکل کر دارالحکومت
کی عام معاشرتی زندگی میں داخل ہو گئیں۔ تصوف اور دنیاداری کے رجحانات
باہم دست و گریباں ہوئے۔ اپنی ذات کے علاوہ گرد و پیش کی طرف دیکھنے
کی بھی توفیق پیدا ہوئی۔ سودا کی زندگی ہی میں جعفر علی حسرت اور ان کے ساتھیوں
کا مسلک کامیاب ہو گیا۔ میر تقی میر کے آنکھیں بند کرنے سے قبل ہی اردو ایک
نئی تحریک سے روشناس ہو گئی۔ ہماری اردو شاعری کا رُخ خارجیت کی طرف
ہو گیا۔ میر سوز کا چرچا اور بول چال کا انداز دلوں میں گھر کر گیا۔ جعفر علی
حسرت کی معاملہ بندی بھی نمودار ہوئی۔ اب اس شاعری کا دور دورہ تھا جسے مصحفی
تیغ اور بھالے کی شاعری کہتے تھے۔ دلی کا قاری بوڑھا ہو چکا تھا۔ لکھنؤ کا
قاری جذبات کی عامیانہ سطح سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ جب شاعری کا مزاج
بدلا تو اسے لکھنؤ کی فضا زیادہ ہی راس آئی۔ لکھنؤ میر تقی میر اور مصحفی کی آمد سے
بھی متاثر ہوا۔ چنانچہ آصف الدولہ کے عہدِ حکومت کے آخری دنوں میں دو
شعری تحریکیں ساتھ ساتھ چلنے لگتی ہیں۔ مصحفی اور ان کے شاگردوں کی داخلیت
پسندی اور تازہ گوئی ایک طرف اور انشا، جرأت اور ان کے ساتھیوں کی
خارجیت پسند "اچھل کود" والی شاعری دوسری طرف۔ لیکن یہ تحریکیں بند ڈبوں
میں نہیں چل رہی تھیں۔ اس لئے ایک دوسری کو متاثر بھی کرتی رہیں۔ خود مصحفی

بھی خارجی رجحانات سے کنی نہ کاٹ سکے۔ ان کا ذاتی رنگ تو شاید دونوں قسم
کے رجحانات کے میل سے پیدا ہوا ہے۔ مصحفیؔ کے شاگرد بھی اگرچہ "سرے بہ جبینانے
داشتن" کو شاعری کے لئے لازمی جانتے تھے لیکن ان کے یہ حسین پیکر گوشت
پوست کے انسان ہی تھے اس لیئے ان کے بیان میں حواسِ خمسہ کا عمل دخل ضروری
تھا۔ حواسِ خمسہ نے انشاؔ، رنگینؔ، جرأتؔ اور اس گروہ کے دوسرے شعراء
کو معاملہ بندی کی وساطت سے باہر کی دنیا سے مربوط کر دیا تھا۔ مصحفیؔ اور ان
کے ساتھیوں کا راستہ بھی اکثر اسی شاہراہ کو کاٹ کر گزرتا ہے۔

انشاؔ اور رنگینؔ کی نئی پود زبان کی حقیقت سے بھی بے خبر نہ تھی۔ دلّی کی
بولی کو اگر لکھنؤ میں زندہ رہنا تھا تو عام بول چال کے اثرات سے الگ نہ
رہ سکتی تھی۔ چنانچہ مقامی اثرات نے زبان کی شکل بدلنی شروع کر دی۔ تذکیر و
تانیث، اور محاورہ کے روزمرے میں دلّی و لکھنؤ کا فرق پیدا ہو گیا۔ خارجی رجحانات
نے زبان کو سنوارنے کا احساس دلایا اور اس کے استعمال میں صنعت گری اور
رعایتِ لفظی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شاعری بڑی سرعت سے داخلی نصب العین
کی بجائے خارجی صورت تراشی کی طرف آ رہی تھی۔ کسی بہتر آدرش کی غیر موجودگی
میں یہی سہارا کیا کم تھا۔ جب یہ شعراء ادھیڑ عمر کو پہنچے، ایک نئی نسل سامنے
آئی جس میں انیسؔ و دبیرؔ اور آتشؔ و ناسخؔ تھے۔ لکھنؤ اور دلّی کا فرق اس دور
میں گہرا ہو گیا۔ ناسخؔ کی شاعری عام لکھنوی مزاج کی آئینہ دار ہے۔ خارجی رجحانات
زیادہ واضح ہو گئے۔ شعراء اپنے ردِ عمل کی بجائے محبوب کی ذات اور اس کے
سراپا میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ اچھا شعر اپنے مفہوم اور جذبات و

احساسات کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی محاورے کو کھپانے، کسی ترکیب کو سلیقے سے باندھنے، بندش کی چستی اور نکتہ آفرینی کی وجہ سے اچھا شعر ٹھہرتا تھا۔ لفظی صنعت گری اور رعایت کا بول بالا تھا۔ کسی اعلیٰ آدرش کی غیر موجودگی میں ایسی ظاہرداریاں ہی مطمح نظر ہو سکتی تھیں۔ شعر، ذوق ادب کی تربیت کی بجائے زبان سکھانے اور سند لینے کے کام آنے لگے۔ زبان کو مانجھنے اور سنوارنے کا یہ اثر لکھنؤ سے دلی کی طرف بھی آیا۔ شاہ نصیر اور ذوق کا معنوی رشتہ اس دلبستانِ فکر کے ساتھ بھی ہے۔ زبان کے اظہار کا وسیلہ ہونے کی بجائے مقصد ہو جانے سے زبان کو فائدہ ہوا لیکن اُردو شاعری کو اس سے بڑا نقصان پہنچا۔

صنعت گری پچھلے دور کی اس فضا کا منطقی نتیجہ تھی جس میں یہ رجحانات پنپ رہے تھے۔ نوابانِ اودھ کا دربار ظاہری رکھ رکھاؤ اور اوپرے ٹھاٹھ رکھتا تھا۔ شجاع الدولہ کے زمانے کی دولت کا وہ عالم نہ تھا۔ برطانوی استعمار نے اودھ کی سلطنت پر کئی تازیانے ڈال دیے تھے۔ وہ شہری زندگی جس نے ثقافت کی گود میں پرورش پائی تھی اور وہ رہائش و رنگ جس کے لیے لکھنؤ کا فن کار آج تک امر سمجھا جاتا ہے بظاہر قائم تھی لیکن اس کی تہ میں وہ سکون و اطمینان کی گنگا نہیں بہتی تھی جو شاہانِ اودھ کے ابتدائی دربار کا خاصا تھی۔ ہر آدمی مصنوعی زندگی اور اس کے کڑے لوازم کو نباہ رہا تھا لیکن غم و الم کی پرچھائیاں بھی آس پاس منڈلا رہی تھیں۔ اس سے محبوب کے سراپا کی دلآویزی کچھ نکھر آئی لیکن کھل کھیلنے کا رجحان بڑھ گیا۔ آتش، ناسخ اور ان کے ساتھی اسی آگ میں جل رہے تھے اس فرار کی ذہنیت نے غم و خوشی دونوں کے عارضی ہونے کا احساس دلایا۔ نتیجہ

یہ ہوا کہ ان شعراء کے ہاں رجائی اثر تو ہے لیکن نہایت سطحی۔ یہ نشاط کا درس دینے والے اپنے پیغام کی کمزوری سے بھی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درس میں وہ خلوص نہیں جو شعر کو گہرائی اور معنویت عطا کرتا ہے۔ سبب شاید یہ بھی ہے کہ یہ لوگ شعر کے خارجی حُسن کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور جذبے کے نکھارنے سنوارنے اور بنانے کی طرف سے غافل ہو گئے تھے۔ بہرحال ان کی شاعری کی تہ میں رجائیت کے باوجود حزن و یاس کی کیفیت پائی جاتی ہے یہ چیز بظاہر داخلیت کی طرف لے جانے والی تھی لیکن لکھنؤ دلّی تو نہ ہو سکتا تھا چنانچہ غم و حرماں کو ایسے راستے اختیار کرنے پڑے جو خارجی ہیکہ تراشی کے لئے بھی گنجائش نکالتے رہیں۔ اپنا غم اپنا نہ رہے، دوسرے کا غم ہو جائے۔ یا اس کی ظاہری شکل و صورت اتنی بدل جائے کہ اپنے غم سے اس کا کوئی کھلا ہوا رشتہ نہ رہے تو بات بن سکتی تھی۔ اس احساس نے شیعیت کے رجحان میں تسکین پائی۔ یہ تصورات نوابانِ اودھ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اب مرثیہ نگاری کے چرچے نے غم کے اظہار کی وہ شکل پیدا کی جو اپنا ذاتی غم نہ تھا۔ یہاں ذاتی غم نے ایک نیا روپ اختیار کیا ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ کی مرثیہ نگاری محض ثواب حاصل کرنے کے لئے نہیں غم کے اظہار کا ذریعہ بھی ہے۔ اس گریہ و شیون کی ڈرامائیت نے لکھنؤ کی پُر تصنع زندگی سے رشتہ گانٹھا۔ اس زمانے میں اگر زندگی بسر کرنا ایک آرٹ تھا تو مرثیہ نگاری بھی آرٹ بن کر پنپ سکتی تھی۔ غزل کی شاعری میں سلام نے فروغ پایا لیکن عشقیہ غزلوں میں یہ گنجائش نہ ہو سکتی تھی۔ وہاں احساسِ مرگ کے برملا ذکر نے گور و کفن کا روپ دھار لیا۔ زندگی کا تصنع بے اطمینانی

اور حزن کو نہ دبا سکا۔ لکھنوی غزل کا بڑا حصہ اس ماتمی فضا میں سانس لینے لگا جس میں آتش رہتے بستے تھے۔

آتش مصحفی کے شاگرد اور انہیں کے مدرسۂ فکر کے پجاری تھے۔ اس تعلق کی بنا پر آتش کی شاعری تازہ گوئی کے دور سے جا ملتی ہے بلکہ بہت پیچھے جا کر تمثیل گوئی کے دور سے بھی رشتہ جوڑ لیتی ہے۔ یہ اس کی شاعری کا ایک رُخ ہے۔ دوسری طرف وہ معاملہ بندی کی ابتدائی صورتوں سے بھی واقف ہے۔ مصحفی کی شاعری بھی انہیں نظریات سے بنی ہے۔ آتش بھی ایسے ہی تغزل اور شعریت کے متوالے ہیں۔ ان کی شاعری بھی جسمانی اور حسی (SENSIOUS) ہے لیکن مصحفی اور آتش میں مزاج کا فرق بھی ہے۔ مصحفی بصارت پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ آتش کی قوتِ شامہ تیز ہے۔ حواسِ خمسہ کا یہ رجحان اس دور کا عام رجحان ہے۔ شاعروں کے سامنے زندگی کا کوئی عظیم مقصد نہ تھا، لے دے کر نظر ہستی کی ظاہری چمک دمک پر ہی پڑ سکتی تھی حیات عمل اور حرکت سے محروم تھی۔ کوئی لائحہ عمل بھی سامنے نہ تھا۔ سیاسی حالات اور اقتصادی عوامل نے حیاتِ انسانی کو اسی چوکھٹ پر لا ڈالا تھا۔ جب فضا یوں جامد ہو جائے اور مستقبل کا کوئی خواب بھی قوم کو بیدار نہ کر سکے تو افراد کی زندگیوں کا بے مقصد ہو جانا لازمی ہے۔ ایسے میں جو آدرش قومی زندگی میں پیدا ہو سکتا ہے وہ جسمانی لذت پرستی کے سوا اور کیا ہوگا۔ لکھنوی تمدن کا یہی آخری سہارا تھا۔ دولت کی فراوانی دکھائی دے رہی تھی خوشحالی بھی تھی لیکن اندر ہی اندر زوال اپنا کام کر رہا تھا۔ خوشحالی کا فریب نظریۂ قومی بقا کا ضامن نہ ہو سکتا تھا۔ جمود

یہ ہوا کہ ان شعراء کے ہاں رجائی اثر تو ہے لیکن نہایت سطحی۔ یہ نشاط کا درس دینے والے اپنے پیغام کی کمزوری سے بھی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درس میں وہ خلوص نہیں جو شعر کو گہرائی اور معنویت عطا کرتا ہے۔ سبب شاید یہ بھی رہے کہ یہ لوگ شعر کے خارجی حُسن کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور جذبے کے نکھارنے سنوارنے اور بنانے کی طرف سے غافل ہو گئے تھے۔ بہرحال ان کی شاعری کی تہ میں رجائیت کے باوجود حزن و یاس کی کیفیت پائی جاتی ہے یہ چیز بظاہر داخلیت کی طرف لے جانے والی تھی لیکن لکھنؤ دلّی تو نہ ہو سکتا تھا چنانچہ غم و حرماں کو ایسے راستے اختیار کرنے پڑے جو خارجی پیکر تراشی کے لئے بھی گنجائش نکالتے رہیں۔ اپنا غم اپنا نہ رہے، دوسرے کا غم ہو جائے۔ یا اس کی ظاہری شکل و صورت اتنی بدل جائے کہ اپنے غم سے اس کا کوئی کھلا ہوا رشتہ نہ رہے تو بات بن سکتی تھی۔ اس احساس نے شیعیت کے رجحان میں تسکین پائی۔ یہ تصورات نوابانِ اودھ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اب مرثیہ نگاری کے چرچے نے غم کے اظہار کی وہ شکل پیدا کی جو اپنا ذاتی غم نہ تھا۔ یہاں ذاتی غم نے ایک نیا روپ اختیار کیا ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ کی مرثیہ نگاری محض ثواب حاصل کرنے کے لئے نہیں غم کے اظہار کا ذریعہ بھی ہے۔ اس گریہ و شیون کی ڈرامائیت نے لکھنؤ کی پُر تصنع زندگی سے رشتہ گانٹھا۔ اس زمانے میں اگر زندگی بسر کرنا ایک آرٹ تھا تو مرثیہ نگاری بھی آرٹ بن کر پنپ سکتی تھی۔ غزل کی شاعری میں سلام نے فروغ پایا لیکن عشقیہ غزلوں میں یہ گنجائش نہ ہو سکتی تھی۔ وہاں احساسِ مرگ کے برملا ذکر نے گور و کفن کا روپ دھار لیا۔ زندگی کا تصنع بے اطمینانی

اور حزن کو نہ دبا سکا۔ لکھنوی غزل کا بڑا حصہ اس ماتمی فضا میں سانس لینے لگا جس میں آتش رہتے بستے تھے۔

آتش مصحفی کے شاگرد اور انہیں کے مدرسۂ فکر کے پجاری تھے۔ اس تعلق کی بنا پر آتش کی شاعری تازہ گوئی کے دور سے جا ملتی ہے بلکہ بہت پیچھے جا کر تمثیل گوئی کے دور سے بھی رشتہ جوڑ لیتی ہے۔ یہ اس کی شاعری کا ایک رُخ ہے۔ دوسری طرف وہ معاملہ بندی کی ابتدائی صورتوں سے بھی واقف ہے۔ مصحفی کی شاعری بھی انہیں نفسیاتی نظریات سے بنی ہے۔ آتش بھی ایسے ہی تغزل اور شعریت کے متوالے ہیں۔ ان کی شاعری بھی جسمانی اور حسی (SENSIOUS) ہے لیکن مصحفی اور آتش میں مزاج کا فرق بھی ہے۔ مصحفی بصارت پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ آتش کی قوتِ شامہ تیز ہے۔ حواسِ خمسہ کا یہ رجحان اس دور کا عام رجحان ہے۔ شاعروں کے سامنے زندگی کا کوئی عظیم مقصد نہ تھا، بے شک نظر ہستی کی ظاہری چمک دمک پر ہی پڑ سکتی تھی۔ حیات عمل اور حرکت سے محروم تھی۔ کوئی لائحہ عمل بھی سامنے نہ تھا۔ سیاسی حالات اور اقتصادی عوامل نے حیاتِ انسانی کو اسی چوکھٹ پر لا ڈالا تھا۔ جب فضا یوں جامد ہو جائے اور مستقبل کا کوئی خواب بھی قوم کو بیدار نہ کر سکے تو افراد کی زندگیوں کا بے مقصد ہو جانا لازمی ہے۔ ایسے میں جو آدرش قومی زندگی میں پیدا ہو سکتا ہے وہ جسمانی لذت پرستی کے سوا اور کیا ہو گا۔ لکھنوی تمدن کا یہی آخری سہارا تھا۔ دولت کی فراوانی دکھائی دے رہی تھی خوشحالی بھی تھی لیکن اندر ہی اندر زوال اپنا کام کر رہا تھا۔ خوشحالی کا فریب نظریہ قومی بقا کا ضامن نہ ہو سکتا تھا۔ جمود

تعطل نے عیش و عشرت کا در کھول دیا۔ زندگی نہ ماضی کے کسی ضابطے پر غور کر سکتی تھی نہ مستقبل کو دیکھ سکتی تھی۔ زوال کا احساس خفی تھا جو سوچنے سے روکتا تھا اور آگے نہ بڑھنے دیتا تھا۔ ایسے میں توجہ حال پر ہی ہو سکتی تھی اور حال کی دلچسپیوں میں لکھنؤ کی عام تمدنی فضا کی چکاچوند بہت تھی۔ دولت تھی لیکن اس کا صحیح مصرف سامنے نہ تھا۔ شاہانِ اودھ کی زندہ دلی، امرائے دولت کی عیش پسندی، فیض آباد، لکھنؤ کی طوائفوں کا رکھ رکھاؤ مصنوعی زندگی کا آئینہ دار ہی نہیں دولت کے نکاس کا ایک طریقہ بھی ہے۔ دولت جذبات کی آسودگی کے کام آتی۔ ایسے میں انسان ذہن کی بجائے حواس پر ہی بھروسہ کر سکتا تھا۔ لکھنؤ کے شاعر حواسِ خمسہ کی طرف متوجہ ہو گئے —— میر حسن پانچوں حواس سے کام لیتے ہیں۔ مصحفی قوتِ لامسہ، باصرہ اور سامعہ تک محدود ہیں۔ آتش باصرہ اور شامہ کے زیادہ مشتاق ہیں۔ ؎

آیا تھا بلبلوں کی تدبیر میں گلوں نے ہنس ہنس کے مار ڈالا صیاد کو چمن میں

شب مہ میں جو دریا کے کنارے جا کے روتا ہوں
گذر جاتی ہے کشتی مار کر ٹھوکر سر پل سے!

بصارت سے زیادہ سماعت اور سماعت سے زیادہ شامہ نے آتش کی غزل میں جلوہ دکھایا ہے ؎

دو روزہ ہے یہ لطفِ عیش و نشاطِ دنیا
بوئے شبِ عروسی مہماں ہے پیرہن میں

میلے کپڑے یار کے سونگھے تھے میں نے ایک دن
نکہتِ گل پر گمانِ بوئے پیراہن رہا

بدن میں جانِ تازہ آتی ہے سونگھے سے اے آتش!
عجب خوشبو ہے اس گل پیرہن کے باسی ہاروں میں

نکہتِ گل سے مجھے یار کی بو آتی ہے! — خار سے یاد الجھ پڑنے کی خو آتی ہے!
مری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے — نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری
یاد کر اس گل کو آتش مثلِ شبنم رو دیا — پیرہن کوئی اگر خوشبو نظر آیا مجھے

بُو کا لفظ آتش کے ہاں عموماً پیرہن سے متعلق ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی اس کا تعلق قبر کے تصور سے بھی گتھا ہوا ملتا ہے۔ ؎

اپنے خوں کی بو ہمیں آتی ہے یاں کی خاک سے
زندگی میں کوئے قاتل سے سفر کیوں کر کریں

یہ رجحان ان کے ہاں غالباً روایتی شاعری کی وساطت ہی سے آیا ہے۔ ان کی بعض محبوب تراکیب جو جذبات کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہیں یہ ہیں۔ "یوسف" "پیراہن یوسف" "بوئے پیراہن یوسف" "گل" "پری" "صبح" "شام" یہ بار بار ان کی شاعری میں آتے ہیں۔ ان کی مدد سے آتش کے جذبات اظہار کی صورت پاتے ہیں لیکن انہیں آتش نے شاعری کی عام روایت سے لیا ہے۔ اوپر کے اشعار کی تہ میں "بوئے پیراہن یوسف" چھپی ہوئی ہے لیکن اشعار کی لذت میں بھی کلام نہیں۔ شاعر کے تخیلی تجربے نے اسے شاعری بنا

بنا دیا ہے۔

آتش کے ہاں دوسرا اساسی روایتی تصورِ قبر کا تذکرہ ہے۔ لکھنو کی ماتمی شاعری میں اس موضوع کی کمی نہیں لیکن اسے تقلیداً قبول کرنا دوسری بات ہے اور اپنی شخصی زندگی کا محور بنا کر پیش کرنا دوسری بات ہے۔ آتش کی شاعری میں یہ بات رسم کی پاسداری نہیں ہے بلکہ اس میں آتش کی ذات کو بھی بڑا دخل ہے۔ آتش زندگی کی رنگا رنگی کو دیکھتے ہیں، اس سے متاثر ہوتے ہیں، اس کے بارے میں رجائی نقطہ نظر بھی پیدا کر لیتے ہیں لیکن حیاتِ گزراں کی ناپائیداری کا احساس بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ حُسن کے عارضی ہونے کا بھی انہیں احساس ہے۔ ؎

کیا بیاں عالم زوالِ حسنِ خوباں کا کروں

روشنی جاتی رہی سروِ چراغاں رہ گیا

اس حرماں نصیبی میں آتش قلندرانہ روپ بھی دھارتے ہیں اور زندگی کے بارے میں متشکک (sceptic) بھی ہو جاتے ہیں۔ قدیم عاشقانہ تصورات کو وہ پسند کرتے ہیں لیکن انہیں وقتی اور عارضی بھی جانتے ہیں۔ وہ مذہب و اخلاق کی طرف جھکتے ہیں اور کبھی کبھی واعظ کا لہجہ بھی اپنا لیتے ہیں۔ کبھی اسے بھی خیر باد کہہ کر قلندری کا درس دینے لگتے ہیں۔ اخلاقی اور دینی رجحانات کا رُخ دنیا کی بے ثباتی کی طرف بھی پھر جاتا ہے۔ سبب شاید یہ ہے کہ آتش جن اقدارِ حیات کے دلدادہ ہیں انہیں برقرار رکھنا چاہتے ہیں لیکن انہیں اس کا بھی یقین سا ہے کہ یہ اقدار اب مٹنے والی ہیں، اور نئے حالات میں

قائم نہیں رہ سکتیں - یہ IDEAL جب ڈانواڈول ہوتے ہیں تو کبھی شک کا اظہار کرتے ہیں، کبھی خود فراموشی، قلندری، جسمانی لذتیں اور جذبات کی پرستش کام آتی ہے - دماغ کی بجائے دل کی واردات جگہ لے لیتی ہیں - ایسے میں آتش خوش بھی ہوتے ہیں - غم سے نڈھال بھی ہوتے ہیں - موت کی خواہش بھی کرتے ہیں اور ایک گونہ بے نیازی کی وجہ سے بعض اوقات شیر کی کھال کو قاقم و سنجاب سمجھنے لگتے ہیں - ؎

جور و جفائے یار سے رنج و محن نہ ہو — دل پہ ہجوم غم ہو جبیں پر شکن نہ ہو
شادی نہیں قبول مجھے غم قبول ہے — میری خوشی سے تنگ میرا پیرہن نہ ہو

مفلسی میں بھی احساسِ مفلسی کے ساتھ ایک آن بان ہے - ایک میرزا منشی ہے ایک لکھنوی رکھ رکھاؤ ہے ؎

فرشتے سنتے ہیں آوازِ دورِ باش کا شور — کبھی ہمارا جو واں اہتمام ہوتا ہے

ساقیانِ ماہ پیکر پہ کیا کرتا ہوں حکم — میکدے میں عالمِ مستی ہے سلطانی مجھے

چند پریاں بھی کروں مثلِ سلیماں تسخیر — یہ قلمرو بھی رہے زیرِ نگیں تھوڑی سی

مجھ صوفی کے جو نعرے سے حال آ گیا — مطرب نے ٹکڑے سر سے مرے ارغنوں کیا

اک الف سیدھے قد کے سودے میں ہوا آتش فقیر — چار ابرو کو صفا کر کے قلندر ہو گیا

بنا دیا ہے۔

آتشؔ کے ہاں دوسرا اساسی روایتی تصور قبر کا تذکرہ ہے۔ لکھنو کی ماتمی شاعری میں اس موضوع کی کمی نہیں لیکن اسے تقلیداً قبول کرنا دوسری بات ہے اور اپنی شخصی زندگی کا محور بنا کر پیش کرنا دوسری بات ہے۔ آتشؔ کی شاعری میں یہ بات رسم کی پاسداری نہیں ہے بلکہ اس میں آتشؔ کی ذات کو بھی بڑا دخل ہے۔ آتشؔ زندگی کی رنگا رنگی کو دیکھتے ہیں، اس سے متاثر ہوتے ہیں، اس کے بارے میں رجائی نقطہ نظر بھی پیدا کر لیتے ہیں لیکن حیاتِ گزراں کی ناپائیداری کا احساس بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ حُسن کے عارضی ہونے کا بھی انہیں احساس ہے۔ ؎

کیا بیاں عالم زوالِ حسنِ خوباں کا کروں
روشنی جاتی رہی سروِ چراغاں رہ گیا

اس حرماں نصیبی میں آتشؔ قلندرانہ روپ بھی دھارتے ہیں اور زندگی کے بارے میں متشکک (sceptic) بھی ہو جاتے ہیں۔ قدیم عاشقانہ تصورات کو وہ پسند کرتے ہیں لیکن انہیں وقتی اور عارضی بھی جانتے ہیں۔ وہ مذہب و اخلاق کی طرف جھکتے ہیں اور کبھی کبھی واعظ کا لہجہ بھی اپنا لیتے ہیں۔ کبھی اسے بھی خیرباد کہہ کر قلندری کا درس دینے لگتے ہیں۔ اخلاقی اور دینی رجحانات کا رُخ دنیا کی بے ثباتی کی طرف بھی پھر جاتا ہے۔ سبب شاید یہ ہے کہ آتشؔ جن اقدارِ حیات کے دلدادہ ہیں انہیں برقرار رکھنا چاہتے ہیں لیکن انہیں اس کا بھی یقین سا ہے کہ یہ اقدار اب مٹنے والی ہیں، اور نئے حالات میں

قائم نہیں رہ سکتیں۔ یہ IDEAL جب ڈانواڈول ہوتے ہیں تو کبھی شک کا اظہار کرتے ہیں، کبھی خود فراموشی، قلندری، جسمانی لذتیں اور جذبات کی پرستش کام آتی ہے۔ دماغ کی بجائے دل کی واردات جگہ لے لیتی ہیں۔ ایسے ہیں آتش خوش بھی ہوتے ہیں۔ غم سے نڈھال بھی ہوتے ہیں۔ موت کی خواہش بھی کرتے ہیں اور ایک گونہ بے نیازی کی وجہ سے بعض اوقات شیر کی کھال کو قاقم و سنجاب سمجھنے لگتے ہیں۔ ؂

جورِ جفائے یار سے رنج و محن نہ ہو — دل پر ہجومِ غم ہو جبیں پر شکن نہ ہو
شادی نہیں قبول مجھے غم قبول ہے — میری خوشی سے تنگ مرا پیرہن نہ ہو

مفلسی میں بھی احساسِ مفلسی کے ساتھ ایک آن بان ہے۔ ایک میرزا منشی ہے ایک لکھنوی رکھ رکھاؤ ہے ؂

فرشتے سنتے ہیں آوازِ دورِ باش کا شور — کبھی ہمارا جو واں اہتمام ہوتا ہے

ساقیانِ ماہ پیکر پر کیا کرتا ہوں حکم — میکدے میں عالمِ مستی ہے سلطانی مجھے

چند پریاں ہی کروں مثلِ سلیماں تسخیر — یہ قلمرو بھی رہے زیرِ نگیں تھوڑی سی

مجھ صوفی کے جو نعرے سے حال آگیا — مطرب نے ٹکڑے سر سے مرے ارغنوں کیا

اک الف سے قد کے سودے میں ہوا آتش فقیر — چار ابرو کو صفا کر کے قلندر ہو گیا

یہ قلندرانہ وضع آتش کا خاص انداز ہے جس کے گل بوٹے ان کے کلام میں ملتے ہیں۔ ان کا سبب وہی ماتمی فضا اور اطمینان کا فقدان ہے۔ نشے کی ترنگ آتش کو خوشی کی طرف لے جاتی ہے۔ بعض شعر تو ان کے ہاں ایسے بھی ملیں گے جن میں غم و الم کا شائبہ تک نہیں۔ ایسے میں وہ زندگی اور اس کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ محبوب کے پیکر اور شراب کے لطف میں وہ اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ تلخی کا ہلکا سا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ فارسی شاعروں میں یہ صفت غالباً صرف حافظ شیرازی کو حاصل ہے کہ ان کے ہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں لمحاتی لذتیں اتنی خوشگوار نظر آتی ہوں کہ انسان ان کی ناپائیداری کے خیال کو ذہن میں نہیں لا سکتا۔ ماتمی فضا میں اس طرح کی الگ تھلگ صفت کی وجہ یہ ہے کہ حافظ جس دور میں ہوتے وہ بھی ظاہری شان و شوکت کا دور تھا۔ لیکن منگولوں کے حملوں کے اقتصادی اثرات نے اس نظامِ فکر کی کمزوری کو بھی ظاہر کر دیا تھا۔ اس سے بعض ذہنوں میں غم و خوشی کے تصورات الگ الگ لہروں کی صورت میں ترقی پانے لگے۔ آتش بھی اسی طرح کے اقتصادی طور پر پراگندہ انتشار دور میں ہوتے ہیں۔ ایسے میں جب زندگی غم ہی غم اور ماتم ہی ماتم ہو تو مسجد میں صفِ ماتم بچھا لینا کافی ہوتا ہے۔ غم کو ہر وقت سرِ بازار رسوا کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بازار کی رونق تو بحال رہنی چاہیے ؎

ساقی نہ قطع سلسلۂ دورِ جام ہو!
مطرب نہ تار ٹوٹے اب آوازِ چنگ کا

یوسف کو دیکھنے کا ہے آنکھوں کو اشتیاق
بندِ نقاب کو سرِ بازار توڑیے

کوچۂ یار میں چلیئے تو غزل خواں چلیئے
بلبلِ مست کی صورت سے غزل خواں چلیئے

آئی تھی کس کے سنبلِ عنبر شمیم سے
گلزار ہو رہے ہیں معطر نسیم سے

موسمِ گُل کی ہوا نے کیے ساقی بیکار
بطِ مے اڑ کے لبِ مست کو چھو آتی ہے

اک جام میں کھلتا ہے طلسماتِ جہاں کا
مستی میں کیسے مرتبۂ جم نہیں ہوتا

دل میں خیالِ حُسنِ محبوب روز و شب ہے
اُترا ہوا ہے یوسف مہماں سرائے تن میں

فصلِ گل میں لوٹیے کیفیتِ میخانہ آج
دولتِ ساقی سے مالا مال ہے پیمانہ آج

بحرِ غم سے پار اتارے گی ہمیں کشتیِ مے
بادباں ابر اور ساقی ناخدا ہو جائے گا

شمعِ مینا سے ہو ساقی شہر بھر میں روشنی
لالے نے روشن کیا کوہ و بیاباں میں چراغ

آئینے میں عکسِ چشمِ یار کا عالم نہ پوچھ
دیکھ لے آتش کنول پھولے ہوئے تالاب میں

رات کو میں نے نہ مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر طالعِ بیدار نے سونے نہ دیا

خاک پر سنگِ درِ یار نے سونے نہ دیا
دھوپ میں سایۂ دیوار نے سونے نہ دیا

شام سے وصل کی شب آنکھ نہ جھپکی تا صبح
شادیٔ دولتِ بیدار نے سونے نہ دیا

شبِ وصل تھی چاندنی کا سماں تھا ‏ ‏ ‏ بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا
مبارک شبِ قدر سے بھی وہ شب تھی ‏ ‏ ‏ سحر تک مہ و مشتری کا قراں تھا
وہ شب تھی کہ تھی روشنی جس میں دن کی ‏ ‏ ‏ زمیں پر سے اک نور تا آسماں تھا
عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل ‏ ‏ ‏ فرح ناک تھی روح، دل شادماں تھا

دخترِ رز مری مونس ہے مری ہمدم ہے ‏ ‏ ‏ میں جہانگیر ہوں یہ نور جہاں بیگم ہے

آتش کی بعض غزلوں میں احساسِ انبساط دو چار شعروں کے بعد اپنا رخ غم و حرماں کی طرف موڑ لیتا ہے۔ آخری زمانے کی غزلوں میں یہ غم و الم پہلے دیوان کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ بعض غزلیں ایسی بھی ہیں جو سر تا پا ماتمی ہیں ملال کی یہ کیفیت دنیا کے عارضی و فانی ہونے کے احساس کی وجہ سے ہے:

تختِ طاؤس کہاں بن کے غبار اڑ جائے ‏ ‏ ‏ باؤ کے گھوڑے کی آتش ہے سواری تیار
صبح نزدیک ہے بیدار ہو مل بے غافل ‏ ‏ ‏ زہرہ و مشتری و ماہ ڈھا جاتے ہیں
کہوں کیا ہوئی عمر کیوں کر بسر ‏ ‏ ‏ میں جاگا کیا بخت سویا کیا
کوئی زمانے سے جاتا ہے کوئی آتا ہے ‏ ‏ ‏ کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے
دلِ بے تاب کو فریاد و فغاں کرنے دو ‏ ‏ ‏ پہلے غماز ہی کو قصہ بیاں کرنے دو
سامنے آ ہی گیا لشکرِ اندوہ و ملال ‏ ‏ ‏ اب تو سیدھے مری آنکھوں کو نشاں کرنے دو
آخرِ کار تہِ خاک ہے مسکن سب کا ‏ ‏ ‏ اہلِ دولت کو بلند آج مکاں کرنے دو
آج تک آہ کے کوڑوں سے بدن نیلا ہے ‏ ‏ ‏ آسماں کو مجھے رسوائے جہاں کرنے دو
پھوٹ بہنے دو انہیں یار کے آگے آتش ‏ ‏ ‏ دل کا احوال بھی آنکھوں کو بیاں کرنے دو

دن کو بیداری میں زندوں سے نہیں پاتا فراغ
رات بھر مردے نظر آتے ہیں مجھ کو خواب میں

کارواں یاروں کا پہنچا منزلِ مقصود میں
میں بگولے کی طرح سے خاک اڑا کر رہ گیا

جب کسی لیلیٰ شمائل کا سُنا کانوں سے ذکر
بیدِ مجنوں کی طرح میں تھرتھرا کر رہ گیا

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

خدا دراز کرے عمر چرخ نیلی کی
یہ بیکسوں کے مزار وں پہ شامیانہ ہوا

یہ رنج و ملال آتش کو توجیہ و اعظانہ میں بھی لے گیا ہے۔ اخلاقی درس و تدریس ان کے ہاں بھی بہت ہے ؎

خیالِ تن پرستی چھوڑ فکرِ حق پرستی کر
نشاں رہتا نہیں ہے نام رہ جاتا ہے انساں کا

برہمن کو باتوں کی حسرت رہی
خدا نے بتوں کو نہ گویا کیا

جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائے گا
بھیک کا کاسہ اسے دستِ دعا ہو جائے گا

گرنہ کسی نے کیا تھرتھرایا دل اپنا ۔۔۔ عرق عرق ہوئے ہم جس کو انفعال ہوا

بہ دینی رجحان آتش کو دنیا کی بے ثباتی کی طرف لے جاتا ہے ۔ وہ اپنی قلندرانہ زندگی کے سبب موت سے ہم کنار ہونا چاہتے ہیں ۔ اس طرح گور کا مضمون انہیں بہت پسند ہو جاتا ہے ۔ ۔ ے

یقین مرگ جو عشق بتاں میں تھا آتش ۔۔۔ ہر اک صنم مری آنکھوں میں سنگِ مدفن تھا

دل چھوٹ کے جاں سے گور کی منزل میں رہ گیا ۔۔۔ کیسا رفیق ساتھ سے مشکل میں رہ گیا

کون سے دن نئی قبریں نہیں اس میں بنتیں ۔۔۔ یہ خرابہ وہی عبرت کا مکاں ہے کہ جو تھا

شعر ڈھلتے ہیں مری فکر سے آج اے آتش
مر کے کل گور کے سانچے میں میں ڈھل جاؤں گا

موت کا خیال اور قبر کی خواہش آتش کے ہاں ایک پُر خلوص جذبہ ہے۔ لیکن کبھی کبھی ان کی تشکک طبیعت یہاں بھی ڈول جاتی ہے ے

نام سنتا ہوں جو میں گور کی اندھیاری کا
دل دھڑکتا ہے جدائی کی شب تار نہ ہو

تاہم گور عموماً اس کے لئے تسکینِ دل کا سامان ہے ۔ یہ موضوع اس کے ہاں روایتی سہی رسمی نہیں ہے ۔ یہ غم کا علاج اور زندگی کا بدل بھی ہے جس میں خوف اور ڈر نہیں بلکہ اس میں مسرت کا دلفریب تصور ہے جس سے موت

اور شب عروسی میں گہری مماثلت دریافت ہو جاتی ہے۔ مرگ و عروسی آتش کے ہاں ہم معنی لفظ ہیں۔

میں جو نوشہ تو وہ بن جائے گی آغوشِ عروس
گور سے آئے گی شہنا کی صدا میرے بعد
زندگی تک ہیں قیامت کے یہ سارے جھگڑے
مجھ کو کیا غم ہے اگر حشر ہوا میرے بعد

کفن خلعت ہے میں دولہا، جنازہ تخت دامادی
براتی نوحہ گر، ہمراہ ہیں شہنا نوازی کو

موت جلب لذت کا باب کھول دیتی ہے اور آتش اپنی اکثر غزلوں میں اس کے گن گانے لگتے ہیں۔ رجائی لہجے کے ساتھ ساتھ المیہ انداز بھی اہم ہو جاتا ہے لیکن یہ غم ناک فضا اپنے اثر میں رجائی لہجے سے زیادہ دیرپا ہے۔ اگرچہ اکثر رجائی اشعار میں بیرونی سطح پر الم کا ہلکا سا اثر بھی نہیں تاہم لکھنویت کے دوسرے مظاہر کی طرح یہ کھلی اور سطحی ہے۔ اس کا اثر دور رس اور نئے نئے مفاہیم سے روشناس کرانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کے مقابلے میں آتش کا المیہ کلام زور، اثر اور لذت میں ایسے عظیم شعرا کے زمرے میں لے جاتا ہے۔ یہاں آتش کا غم ایک کسک اور درد رکھتا ہے۔ یہ درد دیرپا بھی ہے اور اس کے اظہار میں نئی نئی وسعتیں اور خلوص کے نئے نئے ثبوت ملتے ہیں۔ آتش کی یہ حزنیہ شاعری بڑی جان رکھتی

ہے اور نفوذ کے اعتبار سے اس کا سلسلہ دبستانِ مصحفی سے لے کر دبستانِ میر تک پھیلا ہوا ہے۔ وہی گہرائی، وہی ضبط، وہی سنجیدگی اور انسانی نفسیات سے واقفیت آتش کے کلام میں بھی ہے جو معاملہ بندی کے شاعروں کے کلام کے ایک تھوڑے حصے کو تازہ گو شعرا کے کلام سے ملا دیتا ہے۔ ؎

آئینہ سینۂ صاحب نظراں ہے کہ جو تھا ۔۔۔ چہرۂ شاہدِ مقصود عیاں ہے کہ جو تھا!
روز کرتے ہیں شبِ ہجر کو بیداری میں ۔۔۔ اپنی آنکھوں میں سبک خوابِ گراں ہے کہ جو تھا
اثرِ منزلِ مقصود نہیں دنیا میں ۔۔۔ راہ میں قافلۂ ریگِ رواں ہے کہ جو تھا

چاندنی میں جب تجھے یاد اے مہِ تاباں کیا ۔۔۔ رات بھر اختر شماری نے مجھے حیراں کیا

مرغانِ باغ آتشِ گل نے جلا دیئے ۔۔۔ صیاد ہاتھ مل کے چمن سے نکل گیا

خون ہوتا ہے جگر زمزمہ سن کر بے بار ۔۔۔ دل دکھاتی ہے مغنی تری آواز اپنا

آہ دل سے سوا چرچا خموشی کا ہوا ۔۔۔ پاسِ رسوائی نے ہم کو اور رسوا کر دیا

حالِ مجنوں تو نہیں نوعِ دگر دیکھا کچھ ۔۔۔ ساربان آج ہے کیوں چہرۂ لیلیٰ اترا

کارواں یاروں کا پہنچا منزلِ مقصود میں ۔۔۔ میں بگولے کی طرح سے خاک اڑا کر رہ گیا

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے	ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے
فرقتِ یار میں کرتی ہے قیامت برپا	روزِ محشر سے نہیں کم شبِ مہتاب مجھے

یہ آرزو تھی تجھے گُل کے روبرو کرتے	ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے
پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا	زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے
وہ جانِ جاں نہیں آتا تو موت ہی آتی	دل و جگر کو کہاں تک بھلا لہو کرتے
نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش	برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

راحتِ مرگ کو نہ پوچھ آتش	نہ رہی قدر زندگانی کی !

فراقِ یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گزری	جو اشک آنکھوں میں آتا ہے سو بیتاب آتا ہے

دوستوں سے اس قدر صدمے ہوئے ہیں جان پر	دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

دل پہ چوٹ اس رخِ رنگیں کے نظارے سے لگی	پھول سے صدمہ پہنچا ہے مجھے پتھر کا

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری	خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بُو تیری

شبِ فراق میں اک دم نہیں قرار آیا	خدا گواہ ہے شاہد ہے آرزو تیری

دماغ اپنا بھی اے گل بدن معطر ہے — صبا ہی کے نہیں حصے میں آئی بو تیری
شبِ فراق میں اے روزِ وصل تا دمِ صبح — چراغ ہاتھ میں ہے اور جستجو تیری
کسی طرف سے تو نکلے گا آخر اے شہِ حسن — فقیر دیکھتے ہیں راہ کو بہ کو تیری

آتش کو خود بھی احساس ہے کہ اس کا عشقیہ کلام ہی اس کے لیے سرمایۂ افتخار ہے ؎

یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

اور عاشقانہ غزل گوئی کی ہمارے ہاں ایک ہی تو اہم روایت تھی ہجر و فراق اور درد و الم والی غزل گوئی جس میں ہر تجربہ عشق و عاشقی کی فضا سے تقویت پاتا ہے۔ اس غزل گوئی کی عام جذباتی فضا عشقیہ الفاظ و اصطلاحات سے برگ و بار حاصل کرتی ہے۔ آتش کی غزل گوئی کی یہی معراج ہے جو اس دور کی عام شعری فضا سے مختلف اور گذشتہ شعری تحریکات کے زیادہ قریب ہے۔

نگاہِ اوّل

دیوانِ اوّل

آئینہ سینۂ صاحب نظراں ہے کہ جو تھا
چہرۂ شاہدِ مقصود عیاں ہے کہ جو تھا

عشقِ گُل میں وہی بلبل کا فغاں ہے، کہ جو تھا
پرتوِ مہ سے وہی حالِ کتاں ہے کہ جو تھا

عالمِ حسن خداوادِ بتاں ہے کہ جو تھا
ناز و انداز بلائے دل و جاں ہے کہ جو تھا

راہ میں تیری شب و روز بسر کرتا ہوں
وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے کہ جو تھا

روز کرتے ہیں شبِ ہجر کو بیداری میں
اپنی آنکھوں میں سبک خواب گراں ہے کہ جو تھا

اثرِ منزلِ مقصود نہیں دنیا میں!
راہ میں قافلۂ ریگِ رواں ہے کہ جو تھا

کوہ و صحرا و گلستاں میں پھرا کرتا ہے
متلاشی وہ ترا آبِ رواں ہے کہ جو تھا

کون سے دن نئی قبریں نہیں اس میں بنیں
یہ خرابہ وہی عبرت کا مکاں ہے کہ جو تھا

دین و دنیا کا طلبگار ہنوز آتش ہے!
یہ گدا سائلِ نقدِ دو جہاں ہے کہ جو تھا

شام سے تا صبح نیند آئی نہ اک دم تجھ بغیر
آگ نالوں نے لگائی عشق نے طوفاں کیا

چاندنی میں جب تجھے یاد اے مہِ تاباں کیا
رات بھر اختر شماری نے مجھے حیراں کیا

دِل چھٹ کے جاں سے گور کی منزل میں رہ گیا ح
کیسا رفیق ساتھ سے مشکل میں رہ گیا!

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا — کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا ح

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف — قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا ح

اڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر — مہمیز کہتے ہیں کسے تازیانہ کیا

زینہ صبا کا ڈھونڈتی ہے اپنی مشتِ خاک — بامِ بلند یار کا ہے آستانہ کیا

آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو — دیکھوں تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا ح

بیتاب ہے کمال ہمارا دلِ حزیں — مہماں سرائے جسم کا ہوگا روانہ کیا

یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے ح
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

○

مرغانِ باغ آتشِ گل نے جلا دیئے
صیاد ہاتھ مل کے چمن سے نکل گیا
عالم جو تھا مطیع ہمارے کلام کا
کیا اسمِ اعظم اپنے دہن سے نکل گیا

○

جگر کو داغ میں مانندِ لالہ کیا کرتا
لبالب اپنے لہو کا پیالہ کیا کرتا
ملا نہ سرو کو کچھ اپنی راستی میں پھل
کلاہِ کج جو نہ کرتا تو لالہ کیا کرتا

○

جریدہ میں رہ پرخطرِ عشق سے گذارا
جرس سے قافلہ میں بحثِ نالہ کیا کرتا

○

ح رات کو میں نے، مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر طالعِ بیدار نے سونے نہ دیا
خاک پر سنگِ درِ یار نے سونے نہ دیا
دھوپ میں سایۂ دیوار نے سونے نہ دیا!
ح شام سے وصل کی شب آنکھ نہ جھپکی تا صبح
شادیٔ دولتِ دیدار نے سونے نہ دیا
ح رات بھر کیں دلِ بے تاب نے باتیں مجھ سے
رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا
ح باغِ عالم میں رہیں خواب کی مشتاق آنکھیں
گرمیٔ آتشِ گلزار نے سونے نہ دیا!
سچ ہے غم خوارئ بیمار عذابِ جاں ہے،
تا دمِ مرگ دلِ زار نے سونے نہ دیا

○

خون ہوتا ہے جگر زمزمہ سنج بے یار دل دکھاتی ہے مغنّی تری آواز اپنا

اس پری رو کے جو کوچے کا گزرتا ہے خیال — بن کے جن سایہ لپٹتا ہے مجھے دیوار کا

آہ و نالے سے سوا چرچا خموشی کا ہوا! — پاسِ رسوائی نے ہم کو اور رسوا کر دیا

ہوتی ہے مردمِ دنیا کی صورت سے بیزاری — گماں ہوتا ہے اپنے سایہ پر بھی ہم کو دشمن کا

بستیاں ہی بستیاں ہیں گنبدِ افلاک میں — سیکڑوں فرسنگ مجنوں کے بیاباں رہ گیا
میری وحشت نے چراغِ راہ جو سمجھا اسے — آنکھ دکھلا کر مجھے غولِ بیاباں رہ گیا!
کیا بیاں عالم زوالِ حسنِ خوباں کا کروں — روشنی جاتی رہی سرو چراغاں رہ گیا
کاروانِ نکہتِ گل کر گیا گلشن سے کوچ — صورتِ نقشِ قدم گلزار حیراں رہ گیا

نہ کھایا میں نے کڑے پن سے زخمِ تیغِ کرم
میں اپنے جوہرِ ذاتی سے غرقِ آہن تھا
یقینِ مرگ جو عشقِ بتاں میں تھا آتش
ہر اک صنم مری آنکھوں میں سنگِ مدفن تھا

حالِ مجنوں تو نہیں نورِ دگر دیکھا کچھ — سارباں آج ہے کیوں چہرۂ لیلیٰ اترا! ح

آتش اس رشکِ پری سے تجھے اللہ ملائے　　تا کجا دوریِ بلقیس و سلیماں ہوتا

دوست دشمن نے کیے قتل کے ساماں کیا کیا　　جانِ مشتاق کے پیدا ہوئے خواہاں کیا کیا

ح　وہ نازنیں یہ نزاکت میں کچھ یگانہ ہوا　　جو پہنی پھولوں کی بدھی تو دردِ شانہ ہوا
ہوائے تند نہ چھوڑے مرے غبار کا ساتھ　　یہ گردِ راہ کہاں خاکِ آستانہ ہوا
ح　نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشک صحرا ہوں　　لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا
ہوائے تند سے پتا اگر کوئی کھڑکا　　سمندِ بادِ بہاری کا تازیانہ ہوا
ح　خدا دراز کرے عمر چرخِ نیلی کی　　یہ بے کسوں کے مزاروں کا شامیانہ ہوا

ح　وحشتِ دل نے کیا ہے وہ بیاباں پیدا　　سیکڑوں کوس نہیں صورتِ انساں پیدا

خزاں کے جور سے ایمن بہارِ فکرِ رنگیں ہے　　چمن کا اپنے صرصر سے بھی پتا نہیں کھڑکا

آتش شبِ فراق میں پوچھوں گا ماہ سے　　یہ داغ ہے دیا ہوا کس آفتاب کا

تیری فریاد کو محتاج میں دامانِ نہیں　　اے جرس میرے لیے قافلہ نالاں ہوگا
بعد میرے نہ گرفتار ملے گا مجھ سا　　زلفِ خوباں کا بہت حال پریشاں ہوگا

میلے کپڑے یار کے سونگھے تھے میں نے ایک دن
تہمت گل پر گمان بوئے پیراہن رہا

مجھ صوفی کے جو نعرے سے حال اس کو آگیا
مطرب نے ٹکڑے سر سے مرے ارغنوں کیا

ایسی وحشت نہیں دل کو کہ سنبھل جاؤں گا
صورت پیرہن تنگ نکل جاؤں گا
وہ نہیں ہوں کہ دکھائی سے جو ٹل جاؤں گا
آج جانا تھا تو ضد سے تری کل جاؤں گا
شام ہجراں کسی صورت سے نہیں ہوتی صبح
منہ چھپا کر میں اندھیرے میں نکل جاؤں گا
حال پیری کسے معلوم جوانی میں تھا!
کیا سمجھتا تھا میں دو دن میں بدل جاؤں گا
شعر ڈھلتے ہیں مری فکر سے آج اے آتش
مر کے کل گور کے سانچے میں میں ڈھل جاؤں گا

(دیوان آتش)

کہوں کیا ہوئی عمر کیوں کر بسر — میں جاگا کیا بخت سویا کیا
رہی سبز بے فکر کشتِ سخن — نہ جوتا کیا میں نہ بویا کیا
برہمن کو باتوں کی حسرت رہی — خدا نے بتوں کو نہ گویا کیا

ح خواب میں مجھ کو خیالِ نرگسِ مستانہ تھا!
آنکھ کھولی تو لبالب عمر کا پیمانہ تھا
ح پردہ ہائے گوش تک سننے کو آجاتی ہے جاں
کس قدر دلچسپ حسنِ یار کا افسانہ تھا
واہ ری نیرنگ سازیٔ طلسم زندگی
محوِ بت آنکھیں تھیں دل اللہ کا دیوانہ تھا

تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا — ذرا سنبل کو لہرایا تو ہوتا
کہے جاتے وہ سنتے یا نہ سنتے — زباں تک حالِ دل آیا تو ہوتا
سمجھتا یا نہ اے آتش سمجھتا — دلِ مضطر کو سمجھایا تو ہوتا

پیری میں جوانی کے کہاں چھپے آتش — اب اپنی غزل خوانی ہے غل برگِ خزاں کا

ساقی نہ قطع سلسلۂ دورِ جام ہو — مطرب نہ تار ٹوٹے اب آوازِ چنگ کا

بیاباں کو بھی ہنگامِ جنوں میں سیر کر دیکھا   سرِ شوریدہ کو پائے غزالاں پر بھی دھر دیکھا

کھینچ دیتا ہے شبیہ شعر کا خاکا خیال ح
فکرِ رنگیں کام اس پر کرتی ہے پرداز کا
بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں ح
شاعری بھی کام ہے آتشؔ مرصع ساز کا

جنوں میں عالمِ طفلی کی بادشاہت کی   کھلونا آنکھوں میں اپنی ہر اک غزال ہوا
گنہ کسی نے کیا تھر تھرایا دِل اپنا   عرق عرق ہوئے ہم جس کو انفعال ہوا
کمال کون سا ہے وہ جسے زوال نہیں   ہزار شکر کہ مجھ کو نہ کچھ کمال ہوا

ایک الف سے قد کے سودے میں ہوا آتشؔ فقیر
چار ابرو کو صفا کر کے قلندر ہو گیا

خوں کیا غربت میں دِل اپنا وطن کی یاد میں
شہر میں آئے تو داغِ لالۂ ہاموں ہوا !

کارواں یاروں کا پہونچا منزلِ مقصود میں   میں بگولے کی طرح سے خاک اڑا کر رہ گیا
جب کسی لیلیٰ شمائل کا سنا کانوں سے ذکر   بیدِ مجنوں کی طرح میں تھرتھرا کر رہ گیا

خ شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا — بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا
ح مبارک شب قدر سے بھی وہ شب تھی — سحر تک مہ و مشتری کا قراں تھا
ح وہ شب تھی کہ تھی روشنی جس میں ان کی — زمیں پر سے اک نور تا آسماں تھا
ح نکالے تھے دو چاند اس نے مقابل — وہ شب صبح جنت کا جس پہ گماں تھا
ح عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل — فرح ناک تھی روح دلِ شادماں تھا
ح مشاہد جمالِ پری کی تھی آنکھیں — مکانِ وصال اک طلسمی مکاں تھا
ح حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی! — کھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا
ح حقیقت دکھاتا تھا عشق مجازی — نہاں جس کو سمجھے ہوئے تھے عیاں تھا

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے!
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

شاعرِ حال گو تھا میں آتش — میرے ہر شعر میں بندھا مطلب

ح اس بلائے جاں سے آتش دیکھئے کیوں کر بنے
دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست

کم شاعری بھی نسخۂ اکسیر سے نہیں — مستغنی ہو گیا جسے آیا یہ فن درست
غربت زدوں کے حال کا افسانہ چھیڑتے — ہوتی اگر طبیعت اہلِ وطن درست

فصلِ گل ہے لُوٹئے کیفیتِ میخانہ آج ! ح
دولتِ ساقی سے مالا مال ہے پیمانہ آج

دولتِ دنیا سے مستغنی ہوں میں دیوانہ آج
گنج اگل دیتا ہے میرے واسطے ویرانہ آج

وہ پری پیکر کرے جو ناز زیبا ہے اسے
شہر آباد اس کے دیوانوں سے ہے ویرانہ آج

نزع کی حالت ہے کوئی آشنا اپنا نہیں
دیکھئے جس کو نظر آتا ہے وہ بیگانہ آج

ہمنشیں کہتے ہیں ذکر عیش نصفِ عیش ہے
میں کہوں تو حسنِ جمالِ یار کا افسانہ آج

امتیازِ خوب وزشت اپنے زمانے میں نہیں
ایک سا ہے آہوئے مست و سگِ دیوانہ آج

تلوے سہلاتی ہیں پریاں خانۂ زنجیر میں
وقت کا اپنے سلیماں ہے ترا دیوانہ آج

مجھ سے دریا نوش کو ساقی پلاتا ہے شراب ح
دیکھتا ہوں میں بھی ظرفِ شیشہ و پیمانہ آج

وصل کی شب ہے کہاں ساقی تکلف برطرف
میں تمہیں پیمانہ دوں تو مجھکو دو پیمانہ آج

دیکھوں تو کیوں کر پری ہوتی نہیں شیشے میں بند

بعد مدت ہوش میں آیا ہوں میں دیوانہ آج
مال ہے اپنا جو یوسف آ گیا بازار میں
ہے زرِ قیمت کمر میں ہاتھ میں بیعانہ آج

○

ح ساری رونق ہے یہ دیوانوں کے دم کی آتش
طوق و زنجیر سے ہوتا نہیں زنداں آباد

○

ہو گیا سلسلۂ مہر و محبت برہم — نازنیں بھول گئے ناز و ادا میرے بعد
رنگِ رخسارِ گل و لالہ دگرگوں ہوگا — نہ رہے گی یہ گلستاں کی ہوا میرے بعد
زندگی تنگ میں قیامت کے یہ سارے دھوکے — مجھ کو کیا غم ہے اگر حشر ہوا میرے بعد
میں جو نوشہ تو وہ بن جائے گی آغوشِ عروس — گور سے آئے گی شہنا کی صدا میرے بعد
قفسِ تن سے چھٹا میں تو چمن سے لا کر — بوئے گل کس کو سنگھا دے گی صبا میرے بعد
میں نہ ہوں گا تو نہ ہوگا یہ قیامِ الفت
کوئی بدنے کا نہیں شرطِ وفا میرے بعد

○

آتش قدر شناس سے قدرِ سخن سمجھ
سارا ہے اس گہر کا خریدار پر گھمنڈ

○

مضمون باندھ لاتی ہے فکر اپنی عرش سے ۔۔۔ ڈھونڈھا ہے جب تو ہم کو ملا ہے شکار دور
کیفِ شراب میں ہے مزا فکرِ شعر کا ۔۔۔ رکھتا پیادہ سے ہے ارادہ سوار دور

○

تختِ تابوت کہاں بن کے غبار اڑ جاؤ ۔۔۔ باؤ کے گھوڑے کی آتش ہے سواری تیار ح

○

دکھائی دخترِ رز نے یہ میخانے میں نیرنگی ۔۔۔ دمِ طاؤس کا عالم ہوا مینا کی گردن پر

○

ناتواں ہو جاتا ہے فکرِ سخن سے آدمی ۔۔۔ رشتہ کر دیتا ہے آتش اس گہر کا انتظار

○

معرکہ عشق کا ہے یاں آتش ۔۔۔ پاؤں پہ تیغ زن کے ہے سر شرط ح

○

شمعِ مینا سے ہو ساقی شہر بھر میں روشنی ۔۔۔ لالہ نے روشن کیا کوہ و بیاباں میں چراغ

○

آتش سخن کی قدر زمانہ سے اٹھ گئی ۔۔۔ مقدور ہو تو قفل لگا دیں دہاں میں ہم

○

سپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق ۔۔۔ اٹھائے کون یہ بارِ گراں نہیں معلوم ح
نسیم صبح نے کیا بیر ان کو بھڑکایا ۔۔۔ ہنوز آتشِ گل کا دھواں نہیں معلوم
چھٹیں گے زیست کے پھندے سے کس دن آتش ۔۔۔ جنازہ ہو گا کب اپنا رواں نہیں معلوم ح

○

اے صبا دامن ہے تیرا اور مجھ مجنوں کا ہاتھ
اس پری رو کی اگر زلفیں پریشاں ہو گئیں

○

بدن میں جانِ تازہ آتی ہے سونگھے سے اے آتش
عجب خوشبو ہے اس گل پیرہن کے باسی ہاروں کی

○

ح بلند و پست سبک و دوش کو برابر ہے نسیمِ بے سر و پا کا کہیں مقام نہیں

دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیئے ہیں پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اٹھا دیئے ہیں

○

اپنے خوں کی بو ہمیں آتی ہے یاں کی خاک سے
زندگی میں کوئے قاتل سے سفر کیوں کر کریں

○

دن کو بیداری میں زندوں سے نہیں پاتا فراغ
رات بھر مُردے نظر آتے ہیں مجھ کو خواب میں
آئنہ میں عکسِ چشمِ یار کا عالم نہ پوچھ
دیکھ لے آتش کنول پھولے ہوئے تالاب میں

○

ح تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں رہی ہے ایک تصویرِ خیالی روبرو برسوں

ہوا مہمان آ کر رات بھر وہ شمع رو برسوں! رہا روشن مرے گھر کا چراغِ آرزو برسوں
اگر میں خاک بھی ہوں گا تو آتش گردباد آسا رکھے گی مجھ کو سرگشتہ کسی کی جستجو برسوں

○

شیریں زباں ہوئی ہے فرہاد کے دہن میں
لیلیٰ پکارتی ہے مجنوں کے پیرہن میں
آیا تھا بلبلوں کی تدبیر بن گلوں سے
ہنس ہنس کے مار ڈالا صیاد کو چمن میں
اک تختۂ ہفت کشور دہلی کا ہے ہمارے
نو آسماں ہیں اپنے اکبر کے نورتن میں
دو روز ہے یہ لطفِ عیش و نشاطِ دنیا
بوئے شب عروسی مہماں ہے پیرہن میں
دل میں خیالِ حسنِ محبوب روز و شب ہے
اترا ہوا ہے یوسف مہماں سرائے تن میں
صحرا کو بھی نہ پایا بغض و حسد سے خالی!
ساکھو جلا ہے کیا کیا پھولا جو ڈھاک بن میں
کوئی نہیں ہے تیرا مقدور ہو تو آتش
دے رکھ اجورہ دستِ غسال و گورکن میں

○

رنگیں رہے گا خونِ شہیداں سے کوئے دوست
فردوس کی بہار کو بیم خزاں نہیں

○

آجائیے شام سے تو نہ جانے دوں صبح تک
اس ماہِ چاردہ کو شبِ ماہتاب میں
آتش صنم بھی کرنے لگے بے نیازیاں
ہیں لاکھ لاکھ شکر خدا کی جناب میں

○

داغِ سودا کو لیے پھرتا ہوں بازاروں میں
پرکھے اس سکے کو ایسا کوئی صراف نہیں

○

نعمتِ عشق بھی ممکن نہیں بے فضلِ خدا
شکر کرتا ہوں اگر داغ بھی کھاتا ہوں

○

صبح نزدیک ہے بیدار ہو اے غافل
زہرہ و مشتری و ماہ سہا جانتے ہیں

○

اپنے ہر شعر میں ہے معنی تہ دار آتش
وہ سمجھتے ہیں جو کچھ فہم و ذکا رکھتے ہیں

○

بھولیں گے عیش میں بھی نہ آتش غم و الم
یاد آئیں گے فراق کے صدمے وصال میں

○

کفن خلعت ہے بس دولہ جنازہ تختِ دامادی
براتی نوحہ گر ہمراہ ہیں شہنا نوازی کو

○

روز و شب رویا میں آتش رفتگاں کی یاد میں
عمر بھر آنکھیں نہ بھولیں صورتِ احباب کو

○

بیدِ مجنوں دور سے خم ہو گیا تسلیم کو — ہر بگولا سروِ قد اٹھا مری تعظیم کو!
ہمت مردانہ نے آتش کیا ہے بے نیاز — جانتا ہوں میں گدا سلطانِ ہفت اقلیم کو

○

برنگِ سایہ گذر شاہراہِ ہستی سے — کسی کے دوش کا آتش جنازہ بار نہ ہو

○

متصل نالوں کی آواز چلی آتی ہے! — جسمِ خاکی قفسِ مرغِ گرفتار نہ ہو!
نام سنتا ہوں جو میں گور کی اندھیاری کا — دل دھڑکتا ہے جدائی کی شبِ تار نہ ہو
ترکِ الفت کا ارادہ نہ کر آتش زنہار — دل سے بیزار تو ہے جان سے بیزار نہ ہو

○

شیر کی آواز پیدا ہوئے نے کے نالے میں — میرے مدفن کی جو مٹی سے نیستاں سبز ہو

○

زباں وہ گنگ ہو جس سے نہ آفریں نکلے — وہ گوش کر ہو جو آتش سخن پسند نہ ہو

○

فکرِ رنگیں نے تمہیں مفلس کیا تو کیا کیا — یہ عروس آتش گدا کر دیتی ہے بادشاہ کو.

○

کُنجِ تنہائی میں میں نے زندگی کی ہے بسر
گور بھی میری کسی کے گور کے شامل نہ ہو

○

دل بے تاب کو فریاد و فغاں کرنے دو
پہلے غمازہ ہی کو قصہ بیاں کرنے دو

سامنے آ ہی گیا لشکرِ اندوہِ ملال
اب تو سیدھے مری آنکھوں کو نشاں کرنے دو

آخر کار تہ خاک ہے مسکن سب کا
اہلِ دولت کو بلند آج مکاں کرنے دو

میں تو شاعر نہیں عاشق ہوں مجھے کیا ڈر ہے
کاکلِ یار پہ افعی کا گماں کرنے دو

آج تک آہ کے کوڑوں سے بدن نیلا ہے
آسماں کو مجھے رسوائے جہاں کرنے دو

اہلِ اسلام ہوں غیبت نہیں شیوہ میرا
میرے دشمن کو مرے عیب عیاں کرنے دو

پھوٹ بہنے دو انہیں یار کے آگے آتش
دل کا احوال بھی آنکھوں کو بیاں کرنے دو

○

جور و جفائے یار سے رنج و محن نہ ہو!
دل پر ہجوم غم ہو جبیں پر شکن نہ ہو

شادی نہیں قبول مجھے غم قبول ہے
میری خوشی سے تنگ مرا پیرہن نہ ہو

وہ کم نصیب ہوں کہ میسّر کبھی ہے جسے!
معشوق نوجوان و شرابِ کہن نہ ہو

آئینہ سے حجاب نہ ٹوٹے حبیب کا
شانہ سے صاف زلفِ شکن در شکن نہ ہو

کہہ کر ہر ایک عضو سے یہ روح چل بسی ہے
اس طرح بجھے چراغ کوئی انجمن نہ ہو

رنگینیٔ چمن رہے گی روزِ حشر تک
اڑ جائے چار دن میں یہ رنگِ چمن نہ ہو

○

چہرۂ رنگیں کی دکھلائی تصور نے بہار — بند آنکھوں کو کیا کھولا درِ گلزار کو

○

بیقراری میں مری یار اثر پیدا ہو — سر کو دیوار سے ٹکراؤں تو در پیدا ہو!
شعر گوئی میں مری طبع کو دقت ہے پسند — خشک دو لب ہوں تو اک مصرعِ تر پیدا ہو
میرے اشعار گل اندام پڑھیں اے آتش — فکرِ رنگیں میں مرے رنگِ اثر پیدا ہو

○

رہی ہیں بند اک کانِ ملاحت کے تصور میں
مزا لوٹا ہے آنکھوں نے مری نظارہ بازی سے

○

مری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے
نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری

○

ساقیانِ ماہ پیکر پر کیا کرتا ہوں حکم   میکدہ میں عالمِ مستی ہے سلطانی مجھے

○

کب تک وہ زلف دیتی ہے آزار دیکھیے   کٹتی ہے کس طرح سے شبِ تار دیکھیے
دل کو بغل میں مار کے لے تو چلے ہیں کچھ   کہتی ہے کیا نگاہِ خریدار دیکھیے

○

موے جو پیشتر مرنے سے وہ لوگ   کفن سمجھے قبائے زندگانی

○

مرغِ ترانہ سنج ہوں اس بوستاں کا میں
خونِ بہار ٹپکے اگر خار توڑیے
گردن ہی اپنی دوش پر اپنے وبال ہے
کیا چھین کر حریف کی تلوار توڑیے
یوسف کے دیکھنے کا ہے آنکھوں کو اشتیاق
بندِ نقاب کو سرِ بازار توڑیے

○

ح سایہ سا حسن کے ہمراہ ہے عشقِ بیباک   ساتھ یہ جنس خریدار لیے پھرتی ہے

○

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں   روئیے کس کس کے لئے کس کس کا ماتم کیجئے

○

گنج پنہاں ہے تصرف میں بنی آدم کے
کان سے لعل یہ دریا سے گہر لیتا ہے

ہجر میں وصل کا ملتا ہے مزا عاشق کو
شوق کا مرتبہ جب حد سے گزر لیتا ہے

عزتِ نالہ و فریاد نہ کھوئے آتش
آشنا کوئی نہیں کون خبر لیتا ہے

○

حسنِ امرد کا بہت مائل دلِ بے باک ہے
گردِ راہ نے سواراں آخر اپنی خاک ہے

وہ گریباں گیر ہے تیرا میں دامن گیر یار
عشق یاں گستاخ ہے واں حسن اگر بیباک ہے

○

فرشتے سنتے ہیں آوازِ دور باش کا شور — کبھی ہمارا جو واں اہتمام ہوتا ہے

○

دیدۂ دل نے گھسیٹا کوچۂ محبوب میں — کھینچ کر مجھ کو فرشتے سوئے جنت لے گئے ح

○

کوچۂ یار میں چلیے تو غزل خواں چلیے — بلبلِ مست کی صورت سے گلستاں چلیے

○

شعرِ الہامی یہ پہونچاتی ہے وہ لاتی ہے وحی
فکرِ عالی منزلت بھی ہمرہِ جبریل ہے

جسمِ خاکی ہوگیا داخل گڑھے میں گور کے — کھنچ گئی آخر یہ کشتی جذبۂ گرداب سے

گور میں کیونکر قوی ہووے نہ امیدِ وصال — رات اندھیری ہے چراغِ خانہ تک خاموش ہے
کنجِ تنہائی میں بھی چلا کے رو سکتا نہیں — لوگ کہتے ہیں در و دیوار کے بھی گوش ہے

ح موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے — ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے
دہنِ گرگ سے جیتا جو بچوں صحرا میں — ذبح کرنے کے لیے مول لے قصاب مجھے
نہیں رکھتے ہیں امیری کی ہوس مردِ فقیر — شیر کی کھال ہی ہے قاقم و سنجاب مجھے
فرقتِ یار میں کرتی ہے قیامت برپا — روزِ محشر سے نہیں کم شبِ مہتاب مجھے
نہیں بھولا ہے جنوں میں وہ حواس اڑ جانا — یاد ہے برہمیِ صحبتِ احباب مجھے
ح دل غنی چاہیئے گو ہوں میں فقیر اے آتش — شیر کی کھال ہی ہے قاقم و سنجاب مجھے

روئے خورشید سے روشن رُخِ نورانی ہے
صبحِ صادق ہے کشادہ تری پیشانی ہے
آتشِ گل سے کیا ہے مری طینت کو خمیر
دامنِ بادِ بہاری مجھے بھڑکاتا ہے

اے جنوں ہوتے ہیں صحرا پر اتارے شہر سے
فصلِ گل آئی کہ دیوانے سدھارے شہر سے

○

دل کو گھر اس گل کی الفت کا بنایا چاہیے
بوئے یوسف سے یہ پیراہن بسایا چاہیے

○

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے — ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے ح
پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا — زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے ح
مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ — کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے
وہ جانِ جاں نہیں آتا تو موت ہی آتی — دل و جگر کو کہاں تک بھلا لہو کرتے
نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش — برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے ح

○

روتا ہے ادھر ابر ادھر ہنس رہی ہے برق
گریہ سے کوئی خوش ہے کوئی خندہ زنی سے

طفلی میں اشارہ تھا یہ اس چشمِ سیہ کا
ہم آنکھ لڑا دیں گے غزالِ ختنی سے

افسوس کہ فرہاد کو پہلے ہی نہ سوجھی
سر پھوڑ کے مرجاتے اس تیشہ زنی سے

○

اللہ رے مغرور زمیں پر نہ رکھا پاؤں
پھولے نہ سمائے کبھی گل پیرہنی سے

○

ح راحتِ مرگ کو نہ پوچھ آتشؔ   نہ رہی قدر زندگانی کی

○

خاموش دیکھتا ہوں گل و سرو کی بہار   حیرت میں ہوں زمانہ کے نقش و نگار سے

○

خرمنِ عمر جلے تیرے لبِ خنداں سے   برق کا کام تبسم نے لیا دنداں سے
آخر کار جہاں سے ہو اگر آگاہی   صاحبِ خانہ نظر آنے لگیں مہماں سے
وحشت آبادِ جہاں میں نہ کر آرام طلب   کب مسافر کو ملا چین دہِ ویراں سے
شیر ہم اور نیستاں ہے حصیر اے آتشؔ   سلسلہ فقر کا اپنے ہے شہِ مرداں سے

○

کنجِ تنہائی میں آگے خفقاں ہوتا تھا   اپنی پرچھائیں کی صورت سے بھی نفرت اب ہے
حشر پہ وعدہ دیدار نہ کر عاشق سے   کس کو معلوم ہے فردا سے قیامت کب ہے

○

فرقت میں دل جلاتا ہے شوقِ وصالِ یار   اک آگ سی لگی ہوئی آتش بجاں ہے

○

بیدار بخت ایسا میں دیوانہ ہوں جیسے   پریاں اٹھا کے لے گئیں ہیں فرشِ خواب سے

○

اس بحر میں کھلاتی ہے غوطے مجھے قضا   ٹکرا کے پارہ پارہ ہو کشتی حباب سے

○

خواہاں ترے ہر رنگ میں اے یار ہمیں تھے!
یوسف تھا اگر تو تو خریدار ہمیں تھے   ح
وعدہ تھا ہمیں سے لبِ بام آنے کا ہوتا
سایہ کی طرح سے پسِ دیوار ہمیں تھے
نعمت تھی ترے حسن کی حصہ میں ہمارے
تو کانِ ملاحت تھا خریدار ہمیں تھے
بیمارِ محبت تھا سوا اپنے نہ کوئی
اک مشتِ شربت دیدار ہمیں تھے
بے اپنے بہلتی تھی طبیعت نہ کسی سے
دل سوز ہمیں تھے ترے غم خوار ہمیں تھے   ح
بدنام محبت نے تری ہم کو کیا تھا
رسوائے سرِ کوچہ و بازار ہمیں تھے

○

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ   قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے   ح

○

شب بھر میں جو دریا کے کنارے جا کے روتا ہوں   گذر جاتی ہے کشتی مار کر ٹھوکر سر پل سے

○

بہلایئے شراب سے دل کو کوئی گھڑی
لہرا رہا ہے سبزہ رواں جوئے آب ہے

○

شہرۂ آفاق مجھ سا کون سا دیوانہ ہے ‏ ‏ ‏ ہند میں مَیں ہوں پرستاں میں مرا افسانہ ہے
حسن سے رتبہ ہے اپنے عشقِ کامل کا بلند ‏ ‏ ‏ آستانہ پر پری ہے بام پر دیوانہ ہے
بار کھینچے تیغ تیرے قتل کرنے کے لیے ‏ ‏ ‏ سر جھکا آتش یہ جائے سجدۂ شکرانہ ہے

○

آئی تھی کس کے سنبلِ عنبر شمیم سے
گلزار ہو رہے ہیں معطّر نسیم سے
یاد آئی بوئے پیرہنِ یار باغ میں
پھر دل ہی بد دماغ رہے ہم شمیم سے
بے قدر ہے سخن جو سخنداں کوئی نہیں
قدر اس گہر کی ہوتی ہے گوشِ فہیم سے

○

ستارہ آج کل چمکا ہوا ہے اپنا اے آتش
موافق ہے فلک اس ماہ رو کی مہربانی ہے
نصیحت کرتے کرتے اُس نے دیوانہ کیا مجھ کو
الٰہی پندِ ناصح ہے کہ پریوں کی کہانی ہے

○

سبوئے غنچہ ہے معمور و جام گل لبریز ٹپک رہی ہے شراب ابر نوبہاری سے

ہرا بھرا رہے اے باغباں ترا گلزار دماغ تازہ رہیں نکہت بہاری سے

وصالِ یار نہیں تو وصالِ گور ہی ہو جو کچھ ہو نا ہو آتش ہو آہ و زاری سے

○

فکرِ رنگیں ہم کو دکھلاتی ہے گھر بیٹھے بہار مثلِ بلبل نالہ کرنے کو چمن کیا چاہیئے

○

ہم شاعروں کا حلقہ ہے حلقہ عارفوں کا نا آشنائے معنی صورت نہیں ہے کوئی

○

چند پریاں بھی کروں مثلِ سلیماں تسخیر یہ قلمرو بھی رہے زیرِ نگیں تھوڑی سی!

گوش زد ہو وہ کہ جو وہم و گماں میں بھی نہ ہو سنیں اپنی بھی جو اربابِ یقیں تھوڑی سی

فکرِ رنگیں سے لگا اس میں بھی اک باغ آتش

ربعِ مسکوں سے الگ ہے یہ زمیں تھوڑی سی

○

دل شبِ فرقت رہا سینہ میں مردے کی طرح

گور کا پہلو مرا پہلو نظر آیا مجھے

یاد کر اس گل کو آتش مثلِ شبنم رو دیا

پیرہن کوئی اگر خوشبو نظر آیا مجھے

○

کیوں کر نہ مرا شعر ہو عالم کی زباں زد　　مشہور بہت ہوتی ہے جھوٹی خبر ایسی
دنیا کی نہ ہے فکر نہ عقبیٰ کا تردد　　آتش کبھو آئی ہے طبیعت کدھر ایسی

○

نکہتِ گل سے مجھے یار کی بو آتی ہے
خار سے یاد، الجھ پڑنے کی خو آتی ہے
موسمِ گل کی ہوا نے کیے ساقی بیکار
بطِ مے اڑ کے لبِ مست کو چھو آتی ہے

○

میکدہ میں نشہ کی عینک دکھاتی ہے مجھے
آسماں مست و زمیں مست و در و دیوار مست
خار خارِ دل کہے کس سے سنے بلبل کی کون
باغباں مست و صبا مست و گل و گلزار مست

دیوانِ دوم

جلوہ فرمائی نئی صورت سے کی ہر رنگ میں
تو نے جس جامہ کو پہنا تجھ کو زیبا ہو گیا

○

لباسِ یار کو میں پارہ پارہ کیا کرتا
قبائے گل سے اسے استعارہ کیا کرتا

بہارِ گل میں ہیں دریا کے جوش کی لہریں
بھلا میں کشتیِ مے سے کنارہ کیا کرتا

خمِ شراب سے تجھ مست نے نہ منہ پھیرا
کنارِ آب سے پیاسا کنارہ کیا کرتا

بہار تھی جو وہ گل چہرۂ یار بھی ہوتا
اکیلے جا کے چمن کا نظارہ کیا کرتا

بڑا ہی خوار علاقہ ہے گلشنِ الفت
مری طرح کوئی اس میں اجارہ کیا کرتا

بہارِ گل میں پیالہ لگا لیا منہ سے
شراب پینے کو میں استخارہ کیا کرتا

بہارِ گل میں تھا جامے سے باہر اے آتش
نہ کرتا میں جو گریباں کو پارہ کیا کرتا

○

ہر چند حالتِ دل ناگفتنی تھی لیکن — رو کہ کہا کچھ اس سے جو اہلِ درد پایا

میں بھاگتا ہوں دنیا آ آ کے ہے لپٹتی — آتش مجھی کو اس نے شاید کہ مرد پایا

رات بھر تھا چشمِ غول آنکھوں میں اپنے ہر چراغ — شہر بھی ہے یار اک صحرا سے وحشتناک تھا

عہدِ پیری میں جوانی تھی نہ اس کے ولولے — محفلِ شب میں سے ہنگامِ سحر کوئی نہ تھا

گل پھولے سماتے نہیں ہیں جامے میں اپنے
ادنیٰ یہ شگوفہ ہے نسیمِ سحری کا
اک کانِ ملاحت کے ہیں یا مالوں ہیں اپنے
چکھا ہے مزا ہم نے بھی شورہ بدسری کا
پیری میں رہا روشنیٔ فکر سے عالم
خورشیدِ لبِ بام چراغِ سحری کا

اک جام میں کھلتا ہے طلسمات جہاں کا — مستی میں کسے مرتبۂ جم نہیں ہوتا

شاعروں میں کوئی آتش سا نہ ہوگا حسن دوست
خوبصورت پہ پڑی جب آنکھ مائل ہو گیا

قوی دماغ رہے بلبل خوش الحاں کا — قفس میں بھی ہے وہی چہچہا گلستاں کا
لباس ہی نہیں اس گل کا قتل کرتا ہے — برہنگی میں بھی عالم ہے تیغ عریاں کا

○

نہ بوریا بھی میسر ہوا بچھانے کو — ہمیشہ خواب ہی دیکھا کیے چھپر کھٹ کا
کبھی تو ہوگا ہمارے بھی یار پہلو میں — کبھی تو قصد کرے گا زمانہ کروٹ کا
عجب نہیں ہے جو سودا ہو شعر گوئی سے — خراب کرتا ہے آتش زباں کا چٹکا

○

فراقِ یار سے کشتی پڑی ہے — پچھاڑا چل گیا آتش اگر پیچ

○

وہی ہے خوب جسے جو پسندِ خاطر ہے
نگاہِ کبک میں سورج سے ہے پیارا چاند

○

محو کر دیتا ہے سرتاپا سے یار — کیا مناسب تن کے ہیں اعضائے یار
دونوں ہیں اپنے لیے ایذا دہند — عشق بے خود حسن بے پروائے یار
خود گہی بے وجہ آتش کی نہیں — یہ بھی ہے میری طرح جویائے یار

○

پڑ گئی آنکھ جو ان چاند سے رخساروں پر
لوٹتے کبک نظر آگئے انگاروں پر

بادِ کے جھونکے کے لگنے سے ہیں میلے ہوتے
تازہ کی ختم ہے ان پھول سے رخساروں پر

○

ایک سے ایک ہے تماشا رنگ　　دیدنی ہے جہانِ رنگا رنگ

○

ہر عضو ہے مناسبِ اندامِ نازنیں　　سر سے ہے تا قدم وہ صنم بے بدل تمام

○

ح　آتش آغازِ محبت کا ہوا انجام بخیر
خاک پر تیری قدم رنجہ گل اندام کریں

○

پروانے بن کے مضموں آتے ہیں عرش پر سے
رہتی ہے شمعِ فکرِ عالی دماغ روشن

○

بے معنی ہے وہ عشق کہ جس میں کشش نہیں
دلچسپ ہو نہ حسن تو صورت حرام ہے

○

آتش برا نہ مانیو حق حق جو پوچھئے
شاعر ہیں ہم دروغ ہمارا کلام ہے

○

عالمِ وجد ترے مستوں کو — بے دف و چنگ رہا کرتا ہے
تیرے گوشِ شنوا کا مشتاق — ہر خروش آہنگ رہا کرتا ہے

فرقت کی شب میں سنتا باتیں جو دل ہماری
یادش بخیر ذکرِ روزِ وصال کرتے

بہارِ بے خزاں ایسی نہیں کوئی چمن رکھتا — خدا جو فکرِ رنگیں دے تو یہ گلزار بہتر ہے

خوشبو سے ہو رہا ہے معطر دماغِ جاں
چلتی ہے کس طرف کی ہوا کچھ نہ پوچھیے
کیا کیا نگہ پھسلتی ہے رخسارِ یار پر
کیسا یہ آئنہ ہے صفا کچھ نہ پوچھیے
جامہ سے باہر اپنے جو میں ہوا عجب نہیں
کھولے ہیں کس کے بندِ قبا کچھ نہ پوچھیے!

رہِ عدم میں سب آواز اپنی بھول گئے — صدا نہ قافلۂ اشک میں درا نے دی

فراقِ یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گزری!
جو اشک آنکھوں میں آتا ہے سو بیتابانہ آتا ہے

ح

ح ہمیشہ فکر سے یاں عاشقانہ شعر ڈھلتے ہیں
زباں کو اپنی بس اک حسن کا افسانہ آتا ہے

ح ہوائے دورِ مے خوشگوار راہ میں ہے — خزاں چمن سے ہے جاتی بہار راہ میں ہے
ح شباب تک نہیں پہنچا ہے عالمِ طفلی — ہنوز حسنِ جوانیٔ یار راہ میں ہے
ح سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے — ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے
کوئی تو دوش سے بارِ سفر اتارے گا — ہزار راہزن امیدوار راہ میں ہے

دخترِ رز مری مونس ہے مری ہمدم ہے
میں جہانگیر ہوں وہ نورجہاں بیگم ہے

نگاہ ثانی

دیوانِ اوّل

آوارگیِ نکہت گل ہے یہ اشارا
جامہ سے جو باہر ہے وہ دیوانہ ہے اس کا
شکرانۂ ساقیٔ ازل کرتا ہے آتش
لبریز مے شوق سے پیمانہ ہے اس کا

نظر آیا تماشائے جہاں جب بند کیں آنکھیں
صفائے قلب سے پہلو میں ہم نے جام جم پایا

یوسف کی جستجو میں روانہ ہیں قافلے
نالاں جرس ہیں شور ہے کوسِ رحیل کا

سوزشِ دل سے تسلسل ہے وہی آہوں کا
عود کے جلنے سے مجمر میں دھواں ہے کہ جو تھا

○

مر گئیں تیری جدائی میں ہزاروں حسرتیں
عشقِ غارت گر نے میرے دل کو گورستاں کیا

○

غبارِ راہ ہو کر چشمِ مردم میں محل پایا ح
نہالِ خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

○

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے ح
میں جا ہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا
ناقص ہے دوستداری میں کامل نہیں ہے تو
دشمن سے بھی غبار اگر دل میں رہ گیا

○

بیمارِ عشق رنج و محن سے نکل گیا
بیچارہ منہ چھپا کے کفن سے نکل گیا

○

دیا نوشتہ نہ اس بت کو دل کے سودے میں
خدا کے گھر کا بھلا بیں قبالہ کیا کرتا
مہِ دو ہفتہ بھی ہوتا تو لطف تھا آتش ح
اکیلے پی کے شرابِ دو سالہ کیا کرتا

○

آ کے میری خاک پر روتے حسینانِ بہشت
میں اگر اللہ سے بارانِ رحمت مانگتا
رہ گئی عزت خموشی کے سبب سے شکر ہے
زہر دیتا آسماں مجھ کو جو شربت مانگتا
کیا کہوں آتش اثر اپنی زباں کمبخت کا
تنگ ملتی گورِ تیرہ گر فراغت مانگتا

○

وحشت آگیں ہے فسانہ مری رسوائی کا
عاشقِ زار ہوں اِک آہوئے صحرائی کا
زندگانی نے مجھے مردہ بنا رکھا ہے
ملک الموت سے سائل ہوں مسیحائی کا
وہ تماشا ہے ترا حسن پُر آشوب اے ترک
آنکھوں کی راہ سے دم نکلے تماشائی کا

○

کس طرح سے دلِ وحشی کا میں کہنا مانوں
کوئی قائل نہیں دیوانے کی دانائی کا

○

کام کرتی رہی وہ چشمِ فسوں ساز اپنا ح
لب جاں بخش دکھایا کیے اعجاز اپنا
نہ سُنی یار نے اک بات سخن سازوں کی
رہ گئے کھول کے منہ مفسدہ پرداز اپنا

○

یار کا رخسارۂ رنگیں ہے آتشِ رشکِ باغ
جب نقاب الٹا درِ گلزار کو وا کر دیا

○

مے گل رنگ سے چھلکی جو سُرخی پان کی اس میں ح
گلوے یار پر عالم ہوا شیشے کی گردن کا
کڑا پن آگے مردانِ خدا کے چل نہیں سکتا
کفِ دافعہ میں یکساں ہے عالم موم و آہن کا

○

باغِ عالم کا ہر اک گل ہے خدا کی قدرت
باغباں کون ہے اس کا یہ چمن ہے کس کا

خاک میں اس کو ملاؤں اسے برباد کروں
جان کس کی ہے مری جان یہ تن ہے کس کا

توڑ کر تارِ نگہ کا سلسلہ جاتا رہا!
خاک ڈال آنکھوں میں میری قافلہ جاتا رہا
دوستوں سے اس قدر صدمے ہوئے ہیں جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

بعدِ مدت ساتھ اس گل رو کے جو دیکھا مجھے
اڑ گئے مرغِ چمن خالی گلستاں رہ گیا

جو کہ لکھی خوب لکھا دسترس ہوتا اگر
چومتا میں ہاتھ اپنے کاتبِ تقدیر کا

دیا نہ ساتھ جو صبر و قرار نے نہ دیا
روانہ ملکِ عدم کو جریدہ ہونا تھا

برسوں کی راہ آ کے عزیزان نکل گئے
افسوس کاروان سے میں اپنے بچھڑ گیا

جسے میں نیک سمجھتا تھا مجھ سے بدظن تھا
یقینِ خضر تھا جس پر مجھے وہ رہزن تھا

بنائے سنگ دل کی صورتِ آتش کلٹے کھاتی ہے ارادہ کنجِ عزلت میں ہے اب یادِ الٰہی کا

اے نسیمِ سحری دھیان کدھر ہے تیرا ! تھک گیا چار قدم جو مرے شامل دوڑا

ح چشمِ بینا بھی عطا کی دلِ آگہ بھی دیا میرے اللہ نے مجھ پر کیے احساں کیا کیا
کچھ کہے کوئی میں منہ دیکھ کے رہ جاتا ہوں کم دماغی نے کیا ہے مجھے حیراں کیا کیا

زمیں کو زلزلہ آیا جو میری بیقراری سے ستارے کیسے کیسے جھڑ کے کیا کیا آسماں کھٹکا

اپنی زباں کو بلبلِ اندوہگیں جلا ! یا برقِ نالہ سے قفسِ آہنیں جلا !

سامنے اپنے تصور سے سمجھتا ہوں تجھے دور ہیں نزدیک دکھلاتی ہے انساں دور کا

دل پہ چوٹ اس رخِ رنگیں کے نظارے سے لگی
پھول سے صدمہ پہونچتا ہے مجھے پتھر کا

میں نے عریاں تجھے اے رشکِ قمر دیکھ لیا
دیدہ و دل کو جو تھا مدِ نظر دیکھ لیا

دوستی نبھتی نظر آتی نہیں محبوب سے !
نازِ بتاں اٹھتا نہیں واں شغل ہے بیداد کا
اس قدر ایذا ہمیں دی ہے بتوں کے عشق نے
حوصلہ جاتا رہا دل کو خدا کی یاد کا

○

جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائے گا
بھیک کا کاسہ اسے دستِ دعا ہو جائے گا
بحرِ غم سے پار اتارے گی ہمیں کشتیٔ مے !
بادباں ابر اور ساقی ناخدا ہو جائے گا

○

نے کشش معشوق میں پاتا ہوں نے عاشق میں جذب
کیا بلا آئی محبت کا اثر جاتا رہا

○

کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہے میں روتا ہوں
ہنسا گل کی طرح غنچہ جہاں اس کا دہن بگڑا
امانت کی طرح رکھا زمیں نے روزِ محشر تک
نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تارِ کفن بگڑا ح

○

کیا کہیئے کٹی کیونکر اے بُت شب تنہائی
اللہ غنی گاہے گہ نعرۂ یارب تھا
الفت نے مجھے مارا ہیبت نے اُسے مارا
ہیں اور رقیب آتش یک جان و دو قالب تھا

○

ح آتش کی التجا ہے یہی تم سے یا علیؑ — صدمہ نہ ہو فشارِ لحد کے عذاب کا

○

ح کسی کی محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی
حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا
شبِ فراق میں مجھ کو سلانے آیا تھا
جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا
گمان ساقی پہ صیاد کا ہُوا مجھ کو
حضورِ یار جو لے کر بطِ شراب آیا

○

ح عود کرنے کی نہیں روح نکل کر تن سے
پھر نہ آباد یہ گھر ہو گا جو ویراں ہو گا
بوسے مے رکھتی ہے اس میکدہ میں کیفیت
محتسب توڑ کے شیشے کو پشیماں ہو گا

○

ہنگامِ نزع محو ہوں تیرے خیال کا — مشتاق ہوں فرشتۂ صاحب جمال کا

○

یہ صدا آتی ہے شورِ بحرِ ہستی سے مجھے — گوہرِ مقصود اس دریا سے باہر جائے گا

○

بعدِ مردن بھی رہے گا زلفِ مشکیں کا خیال
گور میں بھی میرے سر کے ساتھ سودا جائے گا
یہ صدا آتی ہے مجھ دیوانہ کی زنجیر سے
امن چاہے تو دیارِ بیخودی میں پائے گا

○

شمع ساں رو رو کے یادِ گور میں شب روز کی
جب تلک میرا چراغِ زندگی روشن رہا
چند روزہ عمر زنجیرِ تعلق میں کٹی!
اک پری کا دستِ نازک حلقۂ گردن رہا
دم میں دم جب تک رہا تیری جلو میں اے جنوں
میں گریباں چاک بھی باندھے ہوئے دامن رہا
سختیٔ دورانِ تپ خارِ جنوں نے سہل کی!
موم مجھ دیوانے کی زنجیر کا آہن رہا
باغِ عالم کی ہوا آتش نہ راس آئی مجھے
دوست جس گل کا رہا میں وہ مرا دشمن رہا

مبارک کشتیاں مے کی تبانِ ہند کو ہو دیں
جہازوں میں فرنگستاں سے آبِ آتشیں آیا
مری آنکھوں سے اس آئینہ کی صورت نہ دیکھے گا
کھلے گی حسن کی قلعی جو کوئی قبح بیں آیا

○

وہ دہن ہوں نہ نکلا حرفِ غرور — وہ زباں ہوں نہ جس سے لاف ہوا

○

کس کس نگاہِ ناز سے دیکھا مری طرف — کیا کیا نہ چشم یار نے مجھ پر فسوں کیا
آنکھوں سے جائے اشک ٹپکنے لگا لہو — آتش جگر کو دل کی مصیبت نے خوں کیا

○

کشتئ تن بحرِ ہستی میں رہی برسوں تباہ — پار اسے اکدم میں اس کا ناخدا لے جائے گا

○

سالہا سال سے تحصیلِ سخن ہے آتش — اس قلمرو میں ہے مدت سے اجارا اپنا

○

قدم بھاری ہمارا ہو گا ہم پر باغِ عالم میں
وہ ٹہنی پھٹ پڑے گی جس پر اپنا آشیاں ہو گا
نہیں اسرار سے آتش یہ پتلا خاک کا خالی
یہی وہ گرد ہے جس کا سوار آخر عیاں ہو گا

○

خیالِ تن پرستی چھوڑ فکرِ حق پرستی کر
نشاں رہتا نہیں ہے نام رہ جاتا ہے انساں کا

خوشا حال اس کا امدادِ جنوں سے جو برہنہ ہے
گریباں گیر ہے کوئی نہ دامن گیر عریاں کا

سنا کرتا ہوں اس کو چھیڑ کر پا قفل میں مجنوں سے
مری زنجیر کا نالہ ہے افسانہ بیاباں کا

بہار آئی ہے سائل ساغرِ مے کا ہو ساقی سے
چمن سرسبز ہیں آتش کرم ہے ابرِ باراں کا ح

○

رخ و زلف پر جان کھویا کیا
اندھیرے اجالے میں رویا کیا

○

عدم سے شوقِ تمہارا کشاں کشاں ہے لے آیا
کہو تو شب یہیں رہ جائیں گھر ہے دور ہمارا

○

بعدِ مردن بھی رہے گا شوقِ عریانی مجھے
روح کو جسمِ مثالی پیرہن ہو جائے گا

○

ہشیاری رنج دیتی ہے قیدِ فرنگ کا
دیوانگی نشانہ بناتی ہے سنگ کا
مہماں بہارِ باغ ہے دو چار روز کی
چندے ہے دور دورِ شرابِ فرنگ کا
تیار رہتی ہیں صفِ مژگاں کی پلٹنیں
رخسارِ یار ہے کہ جزیرہ فرنگ کا

○

دکھلائی شان طالعِ بیدارِ حسن نے — یوسف عزیز خواب کی تعبیر سے ہوا
ح پھر ٹاکا کیا مرقعِ عالم کے حسن پر — ہر روز عشق اک نئی تصویر سے ہوا

محبت میں مزا ملتا ہے ایذائیں اٹھانے سے
اسی کو ہم نے چاہا جو حسیں بیداد گر دیکھا
ح مسافر ہی نظر آیا نظر آیا جو دنیا میں
جسے دیکھا اسے آلودۂ گردِ سفر دیکھا

دیوانہ ہوا دیکھ کے پریوں کی ادائیں — وحشت نے مجھے ملکِ سلیماں سے نکالا!
لٹکایا ہے زلفوں کو انہوں نے تری طرح — پریوں نے بھی ہے سلسلہ انساں سے نکالا

آدمی کو موت کے آنے کی لازم ہے خوشی — عید ہے جس روز چھٹکارا ہوا محبوس کا

باغِ عالم میں نہیں کون ثنا خواں تیرا — ذکر کرتا ہے ہر اک مرغِ خوش الحاں تیرا

پڑ چکے تھے دستِ گستاخ اس کمر کے درمیاں — شوقِ وصلِ یار دل کو گدگدا کر رہ گیا

س اس قدر اہلِ جہاں کو ہے محبت زر سے — پیٹ میں مار کے سونے کا جو خنجر ہوتا

ح دل ہو کیوں کر نہ حسینانِ جہاں پر مائل
غیرتِ حور ہیں سب رشکِ پری زاد ہیں سب

بہتر دکھائی دیں کہیں شمس و قمر سے آپ
دیکھیں جو آئنے کو ہماری نظر سے آپ

اللہ ری صبحِ عید کی اس حور کو خوشی!
شانہ تھا اور زلفِ معنبر تمام رات!
کرنے دے کرتے ہیں جو ہوسناک گرمیاں
باقی پڑی ہے لے دلِ مضطر تمام رات
کھولے لغل کہیں لحدِ تیرہ روز گار
سویا نہیں کبھی میں لپٹ کر تمام رات
دن کو تو جبیں پینے دے اے گردشِ فلک!
کافی ہے مجھ کو گردشِ ساغر تمام رات

جلوہ گر ماہ ہے خورشید لقا دلبر ہے
جمع ہیں گھر میں مرے شمس و قمر آج کی رات
صبح ہوتی نظر آتی نہیں ہرگز آتش
بڑھ گئی روزِ قیامت سے مگر آج کی رات

فصلِ گل ہے ساقیٔ یوسف لقا ہیں ساتھ ساتھ
لالہ گوں مے پیتے پھرتے ہیں سر بازار مست
آگے آگے ہو کے یاد ان کو دلا دیتا ہوں میں
بھول جاتے ہیں جو راہِ خانۂ خمّار مست
واہ آتش کیا زباں رکھتا ہے کیفیت کے ساتھ
سامعیں ہوتے ہیں سُن سُن کر ترے اشعار مست

○

غافلو منزلِ دنیا ہے سرائے فانی
اس خطرگاہ میں تم چھاؤنی چھاتے ہو عبث

○

شفقِ صبح نہ دیکھی نہ سنی نوبتِ صبح
وقت کو ہاتھ سے کھوتی ہے مری غفلتِ صبح

○

باغِ جہاں میں کیا کہوں کیا حال ہے مرا
سوکھی ہوئی ہو جیسی درختِ کہن کی شاخ

○

بعد فرہاد کے پھر کوہ کنی میں نے کی
بعد مجنوں کے کیا میں نے بیاباں آباد

○

دیکھنے والا جو آرائش کا مجھ سا اٹھ گیا
پھینک دو گے اے حسینو تم یہ زیور توڑ کر

○

جلد ہو بہرِ سفر اے مہِ کنعاں تیار
ہو چکا تیرے لئے مصر میں زنداں تیار

باغِ عالم میں ہوں میں وہ شجرِ سوختہ بخت
مری شاخوں سے ہوئے سروِ چراغاں تیار
سربلندی سے بھی سرگشتگیٔ بخت کے ساتھ
خاک اڑے اپنی تو ہو گنبدِ گرداں تیار

○

بھاگو نہ مجھ کو دیکھ کے بے اختیار دور
اے کودکاں ابھی تو ہے فصلِ بہار دور

○

کارِ مردانہ کیا چاہے تو اے دستِ جنوں
کھینچ دامانِ پری میر اگر یہاں چھوڑ کر

○

تیرے دیوانے کی وحشت ہے زیادہ ہر سال
بیڑیاں ہوتی ہیں ہر مرتبہ بھاری تیار

○

جھڑتے ہیں پھول منہ سے اس تنگیٔ دہن پر
غنچہ نثار تیری رنگینیٔ سخن پر

○

بہار آئی ہے عالم پہ گل و نسرین و سوسن پر
جوانانِ چمن نازاں ہیں اپنے اپنے جوبن پر

○

باغباں کیسی بہار آئی ہے کیا عالم ہے
نظر آتے ہیں چمن میں خس و خاشاک ہنوز

○

جوش و خروش پر ہے بہارِ چمن ہنوز
پیتے ہیں نوجوان شرابِ کہن ہنوز

خلعت کی کیا امید رکھیں آسماں سے ہم
اس نے تو داب رکھا ہے اپنا کفن ہنوز

○

دھویا کرے بارانِ بہاری اسے آتش
چھٹنے سے پر دل کے نہیں داغِ پرِ طاؤس

○

جنوں میں بھی ہوئی زائل نہ مجھ سے دانائی
رہا میں عالمِ وحشت میں شبنمِ خاموش

○

سینہ کوبی کی صدا ہے یہ کہ گھنگرو کی صدا
بے قراری ہے تری یا اے دلِ ناکام رقص

○

ہوتی ہے وصل میں نشے سے دونی ہوائے وصل
کیا ہجر میں شراب پیے سے ہو غم غلط

○

صاف آتا ہے نظر پوشاک سے نورِ بدن
پیرہن فانوس ہے جسمِ بتِ مغرور شمع

○

داغِ دل کی روشنی کافی ہے آتش گور میں
غم نہیں اس کا نہ ہو اپنے سرِ مدفن چراغ
تازہ ہو جاتا ہے یادِ رفتگاں سے داغِ دل
کارواں کرتا ہے اس ویرانے میں روشن چراغ

○

اے جذبِ دل بغل میں سمجھتا ہوں یار کو　　جاتا ہے دھیان جب تری امداد کی طرف

بہت خراب رہا بت کدے میں اے آتش　　خدا پرست ہے چل خانۂ خدا کی طرف

اثر جنون کا رکھتی ہے دل کی بے تابی　　قبائے صبر کو کرتا ہے آتش انساں چاک

نہ کیجیو سر آتش پہ اپنا سایہ ہما　　فقیر کے ہے بدن پر قبائے سلطاں تنگ

رفعِ حجابِ یار کیا آہِ سحر نے　　کھولے نسیمِ صبح نے بندِ قبائے گل

یار کیا مجھ کو ملا دولتِ پایندہ ملی　　ہاتھ آیا مرے قارون کا خزانہ شبِ وصل

وہم ہے یار کا آغوش میں آنا شبِ وصل　　پیرہن میں مجھے مشکل ہے سمانا شبِ وصل

دل کے گاہک تو ہزاروں ہی پری رو دیکھے
دیکھیے جانِ حزیں کے بھی خریدار کی شکل !

آئینہ خانہ کریں گے دلِ ناکام کو ہم !
پھیریں گے اپنی طرف روئے دل آرام کو ہم

یاد رکھنے کی جگہ ہے یہ طلسمِ حیرت
صبح کو دیکھتے ہی بھول گئے شام کو ہم!
کوچۂ یار میں اپنا جو گذر ہوتا ہے
نگراں رہتے ہیں حسرت سے در و بام کو ہم

○

ح ہے تمہارا خیال پیشِ نظر — جس طرف جائیں سدِ راہ ہو تم

○

کیا حال ہے کسی نے نہ پوچھا ہزار حیف — نالاں رہے جرس کی طرح کارواں میں ہم

○

اخیر ہو گئے غفلت میں دن جوانی کے
بہارِ عمر ہوئی کب خزاں نہیں معلوم
یہ اشتیاقِ شہادت میں محو تھا دمِ قتل!
لگے ہیں زخم بدن پر کہاں نہیں معلوم
جہان و کارِ جہاں سے ہوں بے خبر میں مست
زمیں کدھر ہے کہاں آسماں نہیں معلوم
مری تمہاری محبت ہے شہرۂ آفاق
کسے حقیقتِ ماہ و کتاں نہیں معلوم

○

اس قدر آنکھیں مری محوِ تماشا ہو گئیں — پتلیاں پتھرا کے آخر سنگ موسیٰ ہو گئیں
باغ کو سر سبز بارانِ بہاری نے کیا! — شاعروں کے واسطے تشبیہیں پیدا ہو گئیں
شب نے ہونے سے ترے اندھیرا تھا اک صبح تک — کیا کہوں کیا حالتیں اے ماہ سیماہ ہو گئیں

○

آئینہ دیکھنے کا گزرتا نہیں خیال — اپنی خبر نہیں انہیں میری خبر کہاں

○

تم جو جا نکلے نسیم نو بہاری کی طرح
پھول کھل کھل کر گل و لالہ و کلیاں ہو گئیں
کوچہ گردی میں دکھائی تیغِ قاتل نے بہار
بسملوں سے شہر کی گلیاں گلستاں ہو گئیں
اے مرا دل ترے کوچے میں رکھتے ہیں قدم
حسرتیں جو کچھ کہ تھیں گرد پریشاں ہو گئیں

○

فقیر بن کے قدم مار اس میں اے آتش — طریقِ احمدِ مرسل سی شاہراہ نہیں ح

○

موت کے آتے ہی ہم کو خود بخود نیند آگئی — کیا اسی کی یاد میں کرتے تھے شب بیداریاں ح

○

بہار آئی ہے دل بہلائیے پیری میں اے آتش — حوا نانِ چمن کی دیکھیے محفل گلستاں میں

○

ساقی چمن میں آگ لگائی بہار نے — رنگِ شرابِ سرخ سے جامِ بلور ہوں

○

تابِ داغ برہمی مانندِ بوئے گل نہیں — چھوڑ کر آباد آتش انجمن جاتا ہوں میں

○

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست — مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں

○

سمجھتا اہلِ عالم میں زباں کوئی تو میری بھی
خدایا کاش میں پیدا ہوا ہوتا گنواروں میں

○

اللہ رے فروغ اس رخسارِ آتشیں کا
شمعوں کے رنگ مثلِ کافور اڑا دیے ہیں
آتش نفس ہوا ہے گلزار کی ہمارے
بجلی گری ہے غنچے جب مسکرا دیے ہیں
وہ بادہ کش ہوں میری آوازِ پا کو سن کر
شیشوں نے سر حضورِ ساغر جھکا دیے ہیں
اشکوں سے خانۂ تن آتش خراب ہوگا
تعمیر سپہرِ رفعت باراں نے ڈھا دیے ہیں

○

خار مطلوب جو ہووے تو گلستاں مانگوں
بجلی گرنے کو جو جی چاہے تو باراں مانگوں

ح خانۂ دل میں کروں داغِ محبت کو طلب
روشنی کے لیے اس گھر کے جو مہماں مانگوں

بادشاہی سے فقیری کا ہے پایا بالا!
بوریا چھوڑ کے کیا تختِ سلیماں مانگوں

○

ح حاصلِ اہلِ محبت غیر محرومی نہیں!
بیدِ مجنوں ہو کے امیدِ ثمر کیوں کر کریں

وہ بھی مانندِ چراغِ صبحدم مہمان ہے
مرگ کی لیلیٰ کے مجنوں کو خبر کیوں کر کریں

○

ح ہمارا شعر ہر اک عالم تصویر رکھتا ہے
مرقع جان کر ذی فہم دیواں مول لیتے ہیں

○

مرے آگے اس کو فروغ ہو یہ مجال کیا ہے رقیب کی
یہ حریم جلوۂ یار ہے کہ چراغ خانہ کو جا نہیں

چلیں گو کہ سیکڑوں آندھیاں چلیں گرچہ لاکھ گھر آئے فلک
بھڑک اٹھے آتشِ طور پھر کوئی اس طرح کی دوا نہیں

ح چاند سے منہ کو ترے یاد کیا کرتے ہیں — شبِ مہتاب میں فریاد کیا کرتے ہیں
شہر مسکن کبھی اپنا کبھی جنگل ماوا — سیرِ ویرانہ و آباد کیا کرتے ہیں
ح کیا کہوں یار سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے — حضرتِ دل جو کچھ ارشاد کیا کرتے ہیں
دیکھیے کٹ چکے کب زیست کا اپنے یہ پہاڑ — دردِ سر صورتِ فرہاد کیا کرتے ہیں
غم شبِ ہجر میں اپنے نہیں پیش آتا — ذکر سے وصل کے دل شاد کیا کرتے ہیں

اس غیرتِ پری کا فسانہ کہاں نہیں — وہ بزم کون سی ہے کہ یہ داستاں نہیں
بعدِ فنا کھلے گی تجھے قدرِ زندگی — کوڑی کے مول بکنے کے یہ استخواں نہیں
کس دشت میں کیا ہے قضا نے مرا گذار — گرد و غبار ہے اثرِ کارواں نہیں

طفلی سے اور قہر ہوا وہ شباب میں
تابش سو دو پہر کو فزوں آفتاب میں

اس لالہ رو کے رخ کے پسینے کو پوچھیے
ایسی لطیف بو نہیں داغِ گلاب میں

مجھ مست کو بہار میں ہے آرزو یہی
دریا دل سے ساقی کی تیر دوں شراب میں

سرخ و سفید رنگ کیا جسمِ یار کا
میدا خمیر کر کے قضا نے شہاب میں

کرڑے پن کو ہماری خاکساری نے کیا زائل
وہ جوہر ہے یہ جس سے کشتۂ فولاد کرتے ہیں
شکر کے سجدے کا میرے سر کو سودا چاہیئے
محوِ یادِ دوست ہوں میں فکرِ دشمن میں نہیں

○

افیونی کی نگاہ سے کی ہے کبھی جو سیر — باہر ہوئے ہیں پوست سے ہم لالہ زار میں
صحرا ہے تن کی سیر تو مجنوں ذرا کرے — محمل سوار ہے اسی گرد و غبار میں
جامِ شرابِ عشق سے دونوں ہیں بےخبر — بلبل چمن میں مست ہے ہم کوئے یار میں

○

دل دیا چاہے تو آتش دل رُبا موجود ہیں !
خوب تر سے خوب تر بہتر سے بہتر سیکڑوں

○

ساقیِ میکدہ نے مجھ کو یہ خدمت دی ہے !
نشہ میں مست جو گرتا ہے اٹھاتا ہوں میں

○

اختیاری حرکت جان نہ مجبوروں کی — لیے جاتی ہے جدھر ہم کو قضا جاتے ہیں

○

دیکھا مساس کر کے صبا کی طرح بہت
نازک ترے بدن سے میاں یاسمین نہیں

سوزِ فراق سے نہ کچھ آتش کا حال پوچھ
دم اژدھے کا ہے نفسِ آتشیں نہیں

کبک کی ہے یہ روش اور نہ طاؤس کی
اور ہی انداز ہے یار کی رفتار میں
کشورِ دل میں مرے یار ہے فرماں روا
سکۂ یوسف چلے مصر کے بازار میں
عالمِ پیری میں شغل اس کا کرے آدمی
نشہ جوانی کا ہے بادۂ گلنار میں

خانہ خراب نالوں کی بل بے شرارتیں
بہتی ہیں پانی ہو ہو کے سنگیں عمارتیں
آتش یہ شش جہت ہے مگر کوچہ یار کا
چاروں طرف سے ہوتی ہیں ہم پر اشارتیں

پوچھیں جو کچھ کہ پوچھنا ہو منکر و نکیر
عاجز نہیں ہوں میں بھی جوابِ سوال میں

گل کو نذر سے اشکِ خونیں اتارتے ہیں
گلچیں ہمارے آگے دامن پسارتے ہیں
مردِ فقیر حق حق کرتے ہیں بوریے پہ
شیر اپنے نیستاں میں آتش ڈکارتے ہیں

رہا کرتا ہے نظمِ شعر کا سودا مرے سر میں
عروسِ فکر ان روزوں لدی رہتی ہے زیور میں
نہ جب تک ہم پیالہ ہو کوئی میں مے نہیں پیتا
نہیں مہماں تو فاقہ ہے خلیل اللہ کے گھر میں

توڑیئے توبہ تو کیجے بادہ خواری ان دنوں
موسمِ گل ہے کہاں پرہیزگاری ان دنوں

تیغ ابرو سے ہے شوقِ زخمِ کاری ان دنوں
نیم بسمل کی طرح ہے بیقراری ان دنوں

جاں بلب رکھتا ہے اک رشکِ مسیحا کا فراق
دم نکل جاوے یہ حالت ہے ہماری ان دنوں

فصلِ گل سے یاد آتی ہے مجھے رفتارِ یار
چلتی ہے بن بن کے کیا بادِ بہاری ان دنوں

دوستدار اس کا جو مجھ سا اٹھ گیا دنیا سے ہے
بیکسی پھرتی ہے کیسی ماری ماری ان دنوں

○

خار پیدا ہوں نہ جس جا گل شگفتہ ہوں وہیں!
آسماں اس کو بنا دوں جو زمیں افتادہ ہو

فرشِ سبزہ پر لبِ جو مجھ کو پینی ہے شراب
خیمۂ ابرِ سیہ اے آسماں استادہ ہو

بے ادب وادی میں اپنے پاؤں رکھ سکتے نہیں
خارِ رہ نقشِ قلم ہو مارِ رہزن جادہ ہو

○

پست فطرت کو ہمیشہ سر بلندوں سے ہے لاگ
زلزلہ ڈھاتا ہے دیوار و در و محراب کو
امن میں رکھتی ہے جورِ چرخ سے وارفتگی
منزلِ رہزن میں اندیشہ نہیں سیلاب کو
کیا نفاق انگیز ہم جنساں ہوائے دہر ہے
نیند اڑ جاتی ہے سننے سے نفیرِ خواب کو

بعدِ مردن بھی دکھاوے گی شجاعت جوہر
شیر مارے گا جو روباہ نے کھایا مجھ کو
جوشِ وحشت میں جو اُکتا کے کبھی آہو بھاگا
سینکڑوں کوس غزالوں نے نہ پایا مجھ کو
شام سے پہلوئے خالی نے اک آفت ڈھائی
صبح تک طالعِ خفتہ نے جگایا مجھ کو
شکر صد شکر تعلق نہ ہوا دل کو کہیں
یار و اغیار کے جھگڑے سے چھڑایا مجھ کو

ہوں وہ سر دردِ خلائق کہ یقیں ہے پسِ مرگ
سہو ہو فاتحۂ خیر مرے یاروں کو

کوئی انساں سے سوا سخت نہ پایا ہم نے
موت آئی نہ شبِ ہجر کے بیداروں کو
اپنے ہاتھوں سے کیا جب مجھے بیدرد نے قتل
غیر تو مر ہی گئے داغ رہا یاروں کو

○

ہم فقیروں کو تمنا ہے یہی اے شاہِ حسن
جھاڑ لیں جاروب مژگاں سے تری درگاہ کو
روپ دکھلا کوئی تو ہم کو نیا اے آسماں!
یاد کیا آنکھیں کریں گی اس تماشہ گاہ کو

○

نالوں کی بحث کا کسے آتش دماغ ہے
یا ہم نہ ہوویں یا جرسِ کارواں نہ ہو

○

کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو ح
تاخیر نہ کر کوئے محبوب کے چلنے میں
کھوٹی نہیں کرتے ہیں فردوس کی منزل کو
بے طرح پھنسا ہے تو اس زلف کے پھندے میں
اللہ کرے آساں اے دل تری مشکل کو
جو چاہے سو مانگ آتش درگاہِ الٰہی سے
محروم کبھی پھرتا دیکھا نہیں سائل کو ح

○

پردۂ دل سے نکلنا نالے کا یاد آگیا
خوب رد یا سن کے ہیں آوازِ موسیقار کو

○

باغِ عالم میں ہوا چلتی ہے وہ وحشت خیز	صورتِ بید ہو مجنوں جو شجر پیدا ہو

○

کمی ہو گی نہ بعدِ مرگ بھی بیتابیٔ دل میں
قیامت تک رہے گا زلزلہ سا میرے مدفن کو

ح نکلتی کس طرح ہے جانِ مضطر دیکھتے جاؤ
ہمارے پاس سے جاؤ تو پھر کر دیکھتے جاؤ

ح نسیم نو بہاری کی طرح آئے ہو گلشن میں
تماشائے گل و سرو و صنوبر دیکھتے جاؤ

○

شہرۂ حسن نے دیدار کا مشتاق کیا
نکہتِ گل نے بتائی مجھے گلزار کی راہ
تنگ دستی نے زمانہ میں یہ پایا ہے رواج
یوسف اس عہد میں تکتا ہے خریدار کی راہ

○

ح گیسوے مشکیں رُخِ محبوب تک آنے لگے	چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے

○

ح خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری	خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بو تیری!
وہ گل ہوں میں کہ ترا رنگ جس سے ظاہر ہے	وہ غنچہ ہوں کہ بغل میں ہے جس کی بو تیری
پھرے ہے مشرق و مغرب سے تا جنوب و شمال	تلاش کی ہے صنم ہم نے چار سو تیری
ح شبِ فراق میں اک دم نہیں قرار آیا	خدا گواہ ہے شاہد ہے آرزو تیری

دماغ اپنا بھی اے گل بدن معطر ہے / صبا ہی کے نہیں حصہ میں آئی بو تیری
شبِ فراق میں اے روزِ وصل تا دمِ صبح / چراغ ہاتھ میں ہے اور جستجو تیری
جو ابرِ گریہ زناں ہے تو برقِ خندہ زناں / کسی میں خو ہے ہماری کسی میں خو تیری
کسی طرف سے تو نکلے گا آخر اے شہِ حسن / فقیر دیکھتے ہیں راہ کو بکو تیری

کوچۂ دلبر میں میں بلبل چمن میں مست ہے / ہر کوئی یاں اپنے اپنے پیرہن میں مست ہے
نشۂ دولت سے منعم پیرہن میں مست ہے / مردِ مفلس حالتِ رنج و محن میں مست ہے
دورِ گردوں ہے خداوندا کہ یہ دورِ شراب / دیکھتا ہوں جس کو میں اس انجمن میں مست ہے
وحشتِ مجنوں و آتش میں ہے بس اتنا ہی فرق
کوئی بن میں مست ہے کوئی وطن میں مست ہے

تنگ کرتا ہے گریباں کاٹنے لگتا ہے گلا / موسمِ گل کی جو یاد آتی ہے عریانی مجھے

عشق اس کا جان کھوتا ہے برنا و پیر کی / اس شاہِ حسن کو یہ دعا ہے فقیر کی
اللہ رے اس صنم کے بدن کی ملائمت / جامہ ہے جسم کا کہ قبا ہے حریر کی
دم بند اس کا زمزموں نے میرے کر دیا / آواز بیٹھ بیٹھ گئی ہم صفیر کی
چھیڑا ہے میں نے جا کے برہمن کو دیر میں / لی ہے قسم بتوں سے خدائے کبیر کی

بلبل کی طرح عشق جو ہم کو چمن سے ہو
سو جائیے تو خواب میں گلزار دیکھئے

○

بہیں گے مثلِ دریا دیدۂ تر　　پیئں گے ابر ان چشموں کا پانی

○

فرصتِ وقت غنیمت سمجھ آنا ہے تو آ
اے اجل عالمِ تنہائی ہے میدان خالی
چشمِ پروانہ سے دیکھا تو ہوا یہ روشن
جا تری دل میں ہے اے شمع شبستاں خالی

○

تو نکلتا نہیں شمشیر بکف اے قاتل　　موت میرے لیے تلوار لیے پھرتی ہے
ح　مالِ مفلس مجھے سمجھا ہے جنوں نے شاید　　وحشتِ دل سر بازار لیے پھرتی ہے
ہنستے ہیں دیکھ کے مجنوں کو گلِ صحرائی　　پا برہنہ طلبِ خار لیے پھرتی ہے
کسی صورت سے نہیں جاں کو قرار اے آتش　　طپشِ دل مجھے لاچار لیے پھرتی ہے

○

رفتگاں کا بھی خیال اے اہلِ عالم کیجئے　　عالمِ ارواح سے صحبت کوئی دم کیجئے

○

گم ہوں گے ایسے ڈھونڈھے بھی پائیے نہ جائیں گے　　کھو دے گی فکر ہم کو تمہارے سراغ کی

○

کوئی زمانے سے جاتا ہے کوئی آتا ہے   کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے
ملازموں میں ہیں سلطانِ عشق کے ہم بھی   کبھی ہمارا بھی آتش سلام ہوتا ہے   ح

○

زمیں سے ہووے گا اک آسمانِ نو پیدا
پس از فنا جو ہوئی اپنی چرخ زن مٹی
گڑے ہیں اس میں صباحت کے سیکڑوں کشتے
عجب نہیں ہے جو دے بوئے یاسمن مٹی   ح

○

زندگی میں سیرِ جنت کا جو ہوتا دل کو شوق   ہم تجھے اپنی طرف اے حورپیکر کھینچتے
روشنئ حسن کرتے آتش اپنی گور پر   شمع رویوں کو شبِ آدینہ مر کر کھینچتے

○

بے رُخِ یار مجھے جان سے بیزاری تھی
چاندنی رات نہ تھی گور کی اندھیاری تھی
یاں مرے پاؤں میں زنجیر تھی واں گردن میں
یار سے میں نے بدی شرطِ وفاداری تھی

○

منزلِ دل کی خرابی کا الم کیا کیجئے   کیسے کیسے خانۂ آباد ویراں ہو گئے

○

گور میں بھاگ اہلِ دنیا سے		خلوت اس انجمن سے بہتر ہے

○

ح خاک چھانی ہم سبک روحوں نے مثلِ گردباد		وادیٔ پرخار سے تلوے سلامت لیے گئے

○

بعدِ مردن بھی رہے گا دل کو شوقِ قصرِ یار
سایہ بن کر روح لپٹے گی مری دیوار سے
مشتریٔ حسن مجھ سادہ سا عاشق نہیں
بوئے یوسف آتی ہے گھر میں مرے بازار سے
حسن سے ساقی کے حاصل ہونگی کیفیاتِ عشق
مست ہو کر جائیں گے ہم خانۂ خمار سے

○

بیشۂ عشق و جنوں کی سیر کے قابل ہے تو		شیر کی مانند آتش تجھ میں زور فیل ہے

○

کیفِ مے نے سرخ وہ رخ کر دیا عناب سے		آتشِ گل کس مزے کے ساتھ بھڑکی آب سے

○

گفتگوئے اہلِ غفلت کی حقیقت کچھ نہیں		خواب میں چلائے ہر چند آدمی خاموش ہے
گل ہر اک ساغر بکف بلبل ہر اک نغمہ طراز		سیرِ باغ آتش مجھے ایمائے ناؤ نوش ہے

○

پہلے پروانے سے مغزِ شمع میں لگتی ہے آگ
بے تامل حسن بھی ہے عشق اگر بے صبر ہے

○

سر شمع ساں کٹائیے پر دم نہ ماریئے
منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریئے
مقسوم کا جو ہے سو وہ پہنچے گا آپ سے
پھیلائیے نہ ہاتھ نہ دامن پساریئے

○

آدمی کے واسطے کچھ اور ہووے یا نہ ہو!
ساقی و مے سبزہ و آبِ رواں درکار ہے

بیشتر بندھتے ہیں مضمونِ ہم آغوشیٔ یار
بہرِ فکرِ شعر اک تنہا مکاں درکار ہے

○

وفا سرشت ہوں شیوہ ہے دوستی میرا ح
نہ کی وہ بات جو دشمن کو ناگوار ہوئی

○

غم نہیں کوشے بتاں میں جو نہیں جا خالی
باغِ فردوس میں ہے پہلوے حورا خالی
شبِ تنہائی میں کیا گرم ہو پہلو اس سے
ناز و انداز سے ہے صورتِ زیبا خالی

شکر کس منہ سے کروں گوشہ تنہائی کا
مجھ کو دل کھول کے رونے کو ملی جا خالی

○

بختِ بد نے مجھے ہر چند مٹایا آتشؔ — رہ گیا نام میرا گنبد گرداں کے تلے

○

ح ہر شبِ شب برات ہے ہر روز روزِ عید — سوتا ہوں ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کے

○

رخصتِ یار کا جس وقت خیال آتا ہے — عمرِ رفتہ کو مجھے یاد دلا جاتا ہے

○

کہا مجنوں نے دنیا سے گذرنا سن کے لیلیٰ کا
کوئی آگے روانہ ہے کوئی پیچھے روانہ ہے

○

خوب روئے حال پر اپنے وطن کا سن کے حال
کوئی غربت میں جو آنکلا ہمارے شہر سے
جھوٹ سی لگتی ہے دل جنگل سے ہوتا ہے اچاٹ
سنگِ طفلاں کرتے ہیں مجھ کو اشارے شہر سے
اب تو آزردہ ہے تو لیکن ملیگا ہاتھ پھر
جس گھڑی آتشؔ نکل جاوے گا پیارے شہر سے

○

عاشق ہوں مگر کرتے ہیں معشوق خوشامد
نازک ہے طبیعت مری بیمار کی خو سے

تھی اس میں زلیخا کا کل مشکیں کی سیاہی
نیند آ گئی مجھ کو بغلِ گور کی بو سے

آ رہتا جو خود یار بغل میں مری ہر شب
درباں سے نہ جھگڑا نہ خلش یاں سگِ کو سے

○

نکہتِ گل ہوں میں کیا مجھ کو گلستاں روکے
بوئے پیراہنِ یوسف کو نہ زنداں روکے

برق رفتار ہوں منزل ہے مری زیرِ قدم
ابر گھیرے کہ مجھے ہر چند کہ باراں روکے

دھجیاں کر کے رہِ دامنِ صحرا لوں گا
تنگ مجھ کو نہ کرے دم نہ گریباں روکے

شوقِ صحرا سے نہیں پاؤں زمیں پر پڑتے
کس کو ٹھہرائے الجھ کر کسے داماں روکے

○

کیا اپنی انجمن میں صبا کو میں راہ دوں
گلیوں میں بوئے خلوتِ خاص اس نے عام کی

○

برق چمکی تو سرفراز کیا
ابر آیا تو مہربانی کی

رہ گیا شوقِ منزلِ مقصود
پائے خفتہ نے سرگرانی کی

مجھ کو بٹھلا کے یار سوتا ہے
عاشقی کی کہ پاسبانی کی

○

اوروں سے کیجے وعدۂ دیدار حشر پر
مرنا نہیں قبول ہمیں انتظار سے

○

وہ ماتم دوست ہوں رویا کیا ہوں رات بھر آتشؔ
چراغِ گور اگر گل ہو گیا ہے بادِ صرصر سے

○

ح وہی سر کا ٹپکنا ہے وہی رونا ہے دن بھر کا
وہی راتوں کی بیداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے
ح رواجِ عشق کے آئیں وہی ہیں کشورِ دل میں
رہ و رسمِ وفا جاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے
ح نیازِ خاکسارانہ ہے وہی فضلِ الٰہی سے
بتوں کی ناز برداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے
فراقِ یار میں جس طرح سے مرتا تھا مرتا ہوں
وہ روح و تن کی بیزاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے
ح وہی بازار گرمی ہے محبت کی ہنوز آتشؔ
وہ یوسف کی خریداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

○

عارف ہے وہ جو حسن کا جویا جہاں میں ہے
باہر نہیں ہے یوسف اسی کارواں میں ہے

دیوانہ جو نہ عشق سے ہو آدمی نہیں
حسنِ پری کا جلوہ طلسمِ جہاں میں ہے

اس دلربا کے کوچے میں آ کے ہوا سے جائے
اتنی تو جان اب بھی تنِ ناتواں میں ہے

آئندہ و روندہ کی چلتی ہیں ٹھوکریں
جادہ جو اپنا تھا اسی خوابِ گراں میں ہے

○

مردِ میداں وجد کرتے ہیں جو سنتے ہیں کبھی
نے گلو اپنا ہے نالہ شیر کی آواز ہے

○

جلوۂ یار سے یاں سینہ ہوا ہے روشن
میں وہ ذرہ ہوں کہ خورشید مرا کوکب ہے

کون سی شے ہے زمانہ میں نہیں جو اس میں
سیر کر دل ہی میں دنیا کا تماشا سب ہے

جسم کو جانتے ہیں صنعتِ دستِ قدرت
روح کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امرِ رب ہے

○

فرقتِ یار میں رو رو کے بسر کرتا ہوں ع
زندگانی مجھے کیا دی ہے مصیبت دی ہے

یادِ محبوب فراموش نہ ہوئے اے دل ع
حسن نیت نے مجھے عشق سی نعمت دی ہے

گوش پیدا کیے سننے کو ترا ذکرِ جمال
دیکھنے کو ترے آنکھوں میں بصارت دی ہے

○

ابدا میں روح ہے تنِ خانہ خراب سے ۔ پائے سمند الجھا ہوا ہے رکاب سے
نیرنگِ حسنِ یار کا دل میں خیال ہے ۔ شیشہ بھرا ہے ہم نے شفق گوں شراب سے

○

عمرِ دو روزہ ہو گئی اک حال پر بسر ۔ خالی رہا نہ زمانہ مرا انقلاب سے

○

دل نہیں داغ ہے جس میں نہیں کیفیتِ عشق
جسم بے روح ہے بے بادہ جو مینا ہووے
آبرو چاہے اگر معرکۂ الفت میں
کود پڑے اس میں کنواں ہووے کہ دریا ہووے
روز و شب چرخ ہنڈولے کی طرح پھرتا ہے
کس طرح سے نہ زمانہ تہ و بالا ہووے

○

ح یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے ۔ زمیں یاں کی چہارم آسماں ہے
ح تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی ۔ قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے
وطن میں اپنے اہلِ شوق کی طرح ۔ سفر میں روز و شب ریگِ رواں ہے

○

فرشِ گل پر وہ نزاکت سے نہیں سو سکتے
تنِ نازک میں رگِ گل کا نشاں ہوتا ہے

حسن کو داغ لگا دے گی یہ سبزِ گلزار
آپ پر حورِ بہشتی کا گماں ہوتا ہے

○

بالائے بامِ خانہ وہ عالی جناب ہے — منزل سے اپنی جلوہ نما آفتاب ہے
فصلِ بہار آ کے خزاں بار ہا ہوئی — انگور میں ہنوز ہمارے شراب ہے

○

حشر تک ہووے نہ وہ زلفِ سیہ آتش سفید
دوں جسے تشبیہہ اپنے نامۂ اعمال سے

○

مقبول مرے قول سے قوال ہوا ہے — صوفی کو غزل سن کے مری حال ہوا ہے
جو نار کرے یار سزاوار ہے آتش — خوش رو و خوش اسلوب و خوش اقبال ہوا ہے

○

قیس و فرہاد سے دل دادہ ہزاروں آتش — تیشہ بیکار رہے گا نہ سلاسل خالی

○

نازاں نہ حسن پر ہو مہماں ہے چار دن کا — بے اعتبار ایسی دولت نہیں ہے کوئی
جاں سے عزیز دل کو رکھتا ہوں آدمی ہوں — کیونکر کہوں میں مجھ کو حسرت نہیں ہے کوئی

○

منزل ہی دور ہے جو یہ پہنچے نہیں ہنوز — دم لینے والی راہ میں عمرِ رواں نہ تھی
رہ جانا پیچھے جسم کا جاں سے عجب نہیں — کس کارواں کی گرد پس کارواں نہ تھی

افسوس کیا جوانیٔ رفتہ کا کیجیے — وہ کون سی بہار تھی جس کو خزاں نہ تھی

○

وہ کاوش خار خارِ غم کی ہم اے گل بدن بھولے
تری بشاش صورت دیکھ کر رنج و محن بھولے
تماشہ گوشہ گیری دشتِ غربت یا دکھاتی ہے
وطن میں ہوں مگر مجھ کو ہیں یارانِ وطن بھولے

○

کیا چشمِ مستِ یار سے تشبیہ دیجیے — کیفیتِ نگاہ نہیں جام کے لیے
آتش جو چاہیے پایۂ توکل کی محکمی — جو صبح کو ملے نہ رہے شام کے لیے

○

جھومتی آتی ہے مستانہ گھٹا برسات کی — ساتھ کیفیت کے چلتی ہے ہوا برسات کی
ح سبزۂ مینا کا عالم دیدنی ہے آجکل — میکدے کو دوڑی جاتی ہے گھٹا برسات کی
اڑ کے ٹپکا دے گی مجھ مخمور کے منہ میں شراب — پر لگا دے گی بطِ مے کو ہوا برسات کی
ح غسل کر کے تجھ کو بھی لازم ہے تبدیلِ لباس — چاندنی نکھری ہے خوب اے مہ لقا برسات کی
ابر میں بے نشہ کے اکدم رہا جاتا نہیں — دخترِ رز ہے ہماری آشنا برسات کی
پی کے مے دستارِ لالہ کی اچھالا چاہیے — دیکھتا تھا راہ وہ گلگوں قبا برسات کی
ح روتے روتے مر گیا اک برق وش کی یاد میں — قسمتِ آتش ہی میں لکھی تھی قضا برسات کی

○

نوجوانی کی ہے پیری میں تمنا باقی
موسمِ گل کے گئے پر بھی ہے سودا باقی

اس قدر سینہ غمِ عشق سے معمور ہوا
نہ رہی دل میں مرے حسرتِ دنیا باقی

○

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے
جس طرف دیکھا مقامِ ہُو نظر آیا مجھے

دیدۂ یعقوب سے دیکھا جو عالم کی طرف
یوسف اس بازار میں ہر سو نظر آیا مجھے

کہکشاں نے ساقیٔ چابک سوار کا دھوکا دیا
ماہِ تاباں کا سمٔہ زانو نظر آیا مجھے

تو وہ گل ہے باغِ عالم میں کہ جس کے واسطے
گل بھی آوارہ بہ رنگِ بو نظر آیا مجھے

○

حاجت نہیں بناؤ کی اے نازنیں تجھے
زیور ہے سادگی ترے رخسار کے لیے

○

کی ولولوں نے شوق کے تکلیفِ کوئے یار
لے کر مجھے بہشت میں حسنِ عمل چلے

دل بھر کے سیر کی نہ خراباتِ دہر کی
سیلاب کی طرح سے ہم آج آئے کل چلے

طرفہ پری ہے کوئی نسیم بہار بھی
دیوانے اپنے جامے سے باہر نکل چلے

○

چہکار رہے ہیں مرغ خوش الحاں نئے نئے
دکھلا رہے ہیں رنگ گلستاں نئے نئے

○

دیوانِ دوم

صدا جرس کی ہے غنچوں کے کھلنے سے آتی
روانہ نکہتِ گُل کا ہے کارواں ہوتا

○

دولتِ فقر سے رکھتا ہے غنی
ہم کو آتشؔ دلِ خورسند اپنا

○

سچ ہے جو جیسا کرے ویسا ہی آجاتا ہے پیش
عشق کو بدنام کر کے حسن رسوا ہو گیا

○

سرورِ یار سے حاصل ہُوا سرور مجھے
ملالِ دوست نے دل کو مرے ملال دیا

○

رسائی دیر میں ہوتی جو برہمن کی طرح
بُتوں کو چھیڑ کے دو چار گالیاں سنتا

جا کر قفس میں عاشقِ صیاد ہو گیا　　بلبل کا حال قابلِ فریاد ہو گیا
نور روشنئ عالمِ ایجاد ہو گیا　　ویرانہ تیرے جلوے سے آباد ہو گیا
خورشید سے زیادہ ہوئی اس میں روشنی　　جو ذرہ تیری راہ میں برباد ہو گیا
بلبل کے نالے لے اڑے فصلِ بہار میں　　دیوانہ کپڑے پھاڑ کے صیاد ہو گیا

○

گھر بناتے اگر یقیں ہوتا　　اس خرابہ میں استقامت کا

○

تھا شوق زبس منزلِ مقصود کا آتش　　طے اس کو کیا سامنے جو مرحلہ آیا

○

بہار آئی ہے دیوانے وجد کرتے ہیں!
سرود کی ہے صدا غلغلہ سلاسل کا
گئی ہے روح بدن میں سے وجد کرتی ہوئی
عجیب حال ہوا ہے تمہارے بسمل کا
خدا سے مانگ جو کچھ مانگتا ہے اے آتش
کریم رد نہیں کرتا سوال سائل کا

○

آتش یہ شاعروں کا فقط اختراع ہے
رخسار گنج ہیں نہ تو گیسو ہے بار سانپ

○

نہ کسی کو کڑی کہی ہم نے — نہ کسی کی کڑی اٹھائی بات
دردِ دل کہنے میں کیا پس و پیش — کہی جاتی ہے منہ تک آئی بات
یہ صدا آتی ہے خموشی سے — منہ سے نکلی ہوئی پرائی بات

○

زمانہ یار کا آیا گذر گیا یوسف — طلوعِ نیرِ اعظم ہوا سدھارا چاند

○

موسمِ گل میں جو ہوتا ہے زیادہ سودا — دوڑتے پھرتے ہیں ہم باغ کی دیواروں پر

○

یادِ الٰہی میں جو نعرۂ یا ہو گیا — بھول گئے وحش و طیر نغمۂ داؤد کو

○

سر میں ہوائے کوچۂ دلدار لے چلے — باغِ جہاں سے حسرتِ گلزار لے چلے
داغِ فراق و حسرتِ دیدار و شوقِ وصل — دنیا سے ہم یہ عاقبتِ کار لے چلے

○

نکلے بخارِ دل جو زباں سے عجب نہیں — چھلکے تو کیا بعید ہے لبریز جام ہے

○

چمنستان کی گئی نشو و نما پھرتی ہے
رُت بدلتی ہے کوئی دن میں ہوا پھرتی ہے
ملتجی جو تری درگاہ کے ہیں اے محبوب
پہنے تشریف قبول ان کی دعا پھرتی ہے

نشۂ مے نے نقابِ رخِ زیبا الٹا
ٹھوکریں کھاتی ان آنکھوں کی حیا پھرتی ہے

○

گئی ہے دیر سے اب تک نہیں پھری شاید
درِ قبول کے اوپر ڈھئی دعا نے دی
لڑانے آئے تھے آنکھیں غزالِ چینِ ختن
شکست ان کو تری چشمِ سرمہ سا نے دی

○

ح مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے
تماشا گاہِ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کس کو
کسے اس انجمن میں یادِ خلوت خانہ آتا ہے

○

ح دکھلائے حسنِ یار کا جلوہ جہاں جو عشق — کس کس طرح سے لطفِ تماشا اٹھائیے
تجھ سا حسیں ہو یار تو کیونکر نہ اس کے پھر — نازِ بیجا و غمزہ بے جا اٹھائیے
سختیٔ راہ کھینچئے منزل کے شوق میں — آرام کی تلاش میں ایذا اٹھائیے
ح فصلِ بہار آئی پیو صوفیو شراب — بس ہو چکی نماز مصلا اٹھائیے

○

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا　　بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے ح
تمہارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں　　گل و لالۂ ارغواں کیسے کیسے ح
بہار آئی ہے نشے میں جھومتے ہیں　　مریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے ح
عجب کیا چھٹا روح سے جامۂ تن　　لٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے
نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا　　مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے ح
بہارِ گلستاں کی ہے آمد آمد　　خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے ح
غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں　　ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے ح
کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے ح
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

چپ ہو کیوں کچھ منہ سے فرماؤ خدا کے واسطے ح
آدمی سے بُت نہ بن جاؤ خدا کے واسطے
دردِ دل سے دم فنا ہوتا ہے جا کے رحم ہے
جان جاتی ہے مری آؤ خدا کے واسطے
پاس رسوائی کا دونوں جانبوں سے شرط ہے
بس تمہیں تم مجھ کو سمجھاؤ خدا کے واسطے

چلا وہ راہ جو سالک کے پیش پا آئی ح
ٹھہر گیا جو کہیں بوئے آشنا آئی

ح

شراب ان کو پلا کر ہوئی پشیمانی
وہ بے حجاب ہوئے تو مجھے حیا آئی
نہ روزِ حشر بھی فریاد ہو سکی مجھ سے
جفائے یار کے آڑے مری وفا آئی

باغِ عالم میں یہی اپنی دعا ہے ہر صبح
رہیں سرسبز شجر پھولنے پھلنے والے
ان سے کہہ دو نہیں آہستہ جو رکھتے دو گام
گر کبھی پڑتے ہیں بہت دوڑ کے چلنے والے
نعمتِ عشق کا راغب نہیں کوئی پاتا
مر گئے کیا غم و غصہ کے نگلنے والے

وضو ہوتے ہیں مے سے خشتِ خم پر شکر کے سجدے
نمازی لوگ بھی ہیں خانۂ خمار میں آئے

دید رکھنے موسمِ گل کی نہیں
ولولے تیرے گریباں چاک کے
آفریں صد آفریں دستِ جنوں
خوب ہی لتے لیے پوشاک کے

انتخابِ مولانا حسرت موہانی

دیوانِ اوّل

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا　　نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
تعلق روح سے مجھ کو جسد کا ناگوارا ہے　　زمانے میں چلن ہے چار دن کی آشنائی کا
نظر آتی ہیں سر سو صورتیں ہی صورتیں مجھ کو　　کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا
نہیں دیکھا ہے لیکن تجھکو پہچانا ہے آتش نے　　بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعویٰ ہے خدائی کا

○

اے جنونِ دشتِ عدم کے کوچ کا ساماں کیا　　جسم کے جامے کو میں نے چاک تا داماں کیا
نالۂ جانکاہ نے پتھر کو پانی کر دیا　　مرغِ ماہی کو دلِ بیتاب نے گریاں کیا
جلد نہلا مجھ کو میرے خوں سے اے شمشیرِ یار　　دامنِ دل سالہا آلودۂ عصیاں کیا
قامتِ موزوں تصور میں قیامت ہو گیا　　چشم کی گردش نے کارِ فتنۂ دوراں کیا
آتشِ دلسوختہ تیرا یا الٰہی کچھ نہ تھا　　قطرۂ ناچیز کو دریا بے پایاں کیا

○

برنگِ شمع ہم دل سوختوں کو بزمِ عالم میں　　زباں کھولی نہ لیکن بات کرنے کا محل پایا
نظر آتے ہیں خالِ عنبریں گردِ لبِ لعلیں　　سپاہِ زنگ نے شہرِ بدخشاں میں عمل پایا
غمِ فرقت سے عمرِ رفتہ گزری بیقراری میں　　تری امداد سے آرام ہم نے اے اجل پایا

ہمیشہ جوشِ گریہ سے رہا پانی میں اے آتش   کبھی تازہ نہ لیکن اپنے دل کا یہ کنول پایا

○

طبل و علم ہے پاس نہ اپنے نہ ملک و مال   ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا

صفا ہوا نہ ریاضت سے نفس امارہ   کوئی نجاستِ سگ کا ازالہ کیا کرتا

○

پاؤں زنداں سے نہ نکلا ترے سودائی کا   داغ دل میں ہی رہا لالۂ صحرائی کا
دھیان رہتا ہے قدِ یار کی رعنائی کا   سامنا روز ہے یاں آفتِ بالائی کا
کوہِ غم مثلِ پرِ کاہ اٹھا لیتا ہوں   ناتوانی میں بھی عالم ہے توانائی کا
لحدِ تیرہ میں مجھ پر جو لگا ہونے عذاب   پھر گیا آنکھوں میں عالم شبِ تنہائی کا
مصرعہ سرو میں لاکھوں ہی نکالوں شاخیں   باندھوں مضمون جو قدِ یار کی رعنائی کا
شہر میں قافیہ پیمائی بہت کی آتش
اب ارادہ ہے مرا بادیہ پیمائی کا

○

تکیہ تک پہلو میں اس گل نے نہ رکھا آتش   غیر کو ساتھ کبھی یار نے سونے نہ دیا

○

ہوا ہے عشق ہمکو اس کے حسنِ پاک سے پیدا   کیا ہے نور کے پتلوں کو جس نے خاک سے پیدا
کلام صاف کو اپنے جو دیکھے اس کو حیرت ہو   یہ آئینہ ہوا ہے جوہرِ ادراک سے پیدا
ہر اک جانب سے اس محبوب کو خط لکھنے میں عاشق   عریضے ہوتے ہیں چاروں طرف کی ڈاک سے پیدا

غم اپنے قتل ہونے کا نہیں غم ہے تو یہ غم ہے
نہ ہوگا کشتنی مجھ سا مرے سفاک سے پیدا

دعائے آتش خستہ یہی ہے روز محشر کو
یہ مشت خاک ہووے کربلا کی خاک سے پیدا

خندہ زن ہیں کبھی گریاں ہیں کبھی نالاں ہیں
ناز خوباں سے ہوا ہے عجب انداز اپنا

پر کترنے سے تو صیاد چھری ہی پھیرے
قفس کوتاہ کرے حسرت پرواز اپنا

روٹھ کر ملنے جو جاتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ
کل خفا تم تھے مزاج آج ہے ناساز اپنا

خبر اول و آخر نہیں مطلق آتش
نہ تو انجام ہے معلوم نہ آغاز اپنا

ادب تا چند اے دست ہوس قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش پر بوجھ اپنی گردن کا

جو سویا ساتھ بھی قاتل تو خنجر درمیاں رکھ کر
ہمارے اس کے پردہ رہ گیا دیوار آہن کا

سمجھتے تھے نہ ہم اتنا در اندازی جنوں تجھ کو
گریباں سے تعلق ہو گیا موقوف دامن کا

کیا اک آن میں تیغ قضا نے صاف دو ٹکڑے
گماں ہی رہ گیا دشمن کو آتش اپنے جوشن کا

کوئی عشق میں مجھ سے افزوں نہ نکلا
کبھی سامنے ہو کے مجنوں نہ نکلا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

رہا سالہا سال جنگل میں آتش
مرے سامنے بید مجنوں نہ نکلا

تن سے بارِ سرِ آمادہ سودا اترا — شکر ہے خنجرِ قاتل کا تقاضا اترا
باغ سے بادِ بہاری کی ہے آمد آمد — طاقِ میخانہ سے ہے ساغر و مینا اترا
سیر رکھتا ہے طبیعت کو کلامِ شیریں — من و سلویٰ ہے یہ اپنے لیے گویا اترا
شاخِ گل کو بھی نہ آتش نے چھوا تھا اس پر
خون تری آنکھوں میں اے بلبلِ شیدا اترا

○

جب کہ رسوا ہوئے انکار ہے بیجا میں کیا — اے صنم لطف ہے پردے کی ملاقات میں کیا
کوئی اندھا ہے تجھے ماہ کہے اے خورشید — فرق ہوتا نہیں انسان سے دن رات میں کیا
آتشِ مست جو مل جائے تو پوچھوں اس سے
تو نے کیفیت اٹھائی ہے خرابات میں کیا

○

کون وارفتہ نہیں تیری طرحداری کا — حوصلہ سب کو ہے یوسف کی خریداری کا
لبِ جاں بخش کے اعجاز کا عیسیٰ ہے قتیل — سامری کشتہ ہے آنکھوں کی فسوں کاری کا
اس نے دکھلائی مجھے صورتِ ابرِ رحمت — میں تو آتش ہوں غلام اپنی سیہ کاری کا

○

آفتیں ڈھاتی ہے وہ نرگسِ فتاں کیا کیا — داغ دیتی ہے مجھے گردشِ دوراں کیا کیا
حسن میں پہلو سے خورشید مگر دابے گا — دور کھنچتا ہے ہمارا مہِ تاباں کیا کیا!
دوست نے حیف نہ دم ذبح سسکتا چھوڑا — ہم سے دشمن ہوئے ہنس ہنس کے پشیماں کیا کیا
کوئی مردِ خدائی نہیں مجھ سا آتش — کیا کہوں کہتے ہیں ہندو و مسلماں کیا کیا

شب اس کے افعی گیسو کا جو فسانہ ہوا
ہوا کچھ ایسی بندھی گل چراغ خانہ ہوا
نوگروں کو مبارک ہو شمع کا فوری !
قدم سے یار کے روشن غریب خانہ ہوا
ہمیشہ شام سے ہمسائے مر رہے آتش
ہمارا نالۂ دل گوش گو فسانہ ہوا !

خوشی ہوتے ہیں ناداں پہن کر کمخواب کا جوڑا
کفن ہے عاقبت اس عالم اسباب کا جوڑا
شعاعِ حسن سے پوشاک کا عالم دگر گوں ہے
تمامی کا نہیں اس فتنۂ احباب کا جوڑا
حنا کا رنگ بھی ہو بار جس نازک طبیعت پر
بھلا پہنے وہ کیونکر پاؤں میں جراب کا جوڑا
شب فرقت میں کافر ہوں جو میری آنکھ جھپکی ہو
عبث بہتان غش نے آکے مجھ پر خواب کا جوڑا
لگاؤں ماہ کے سر پر اگر ہاتھ آئے اسے آتش
ستاروں کا وہ پائے مہر عالمتاب کا جوڑا

آنکھیں عاشق کو نہ تو اے گلِ رعنا دکھلا
پتلیوں کا کسی ناداں کو تماشا دکھلا

حوصلہ کیا عندلیب خانماں برباد کا
رخِ گل بھولے جو منہ دیکھے مرے صیاد کا
گردشِ چشمِ بتاں سے مل گیا میں خاک میں
آسماں کو شوق باقی رہ گیا بیداد کا
گردِ رہ سے گو سمجھتے ہیں مجھے آدم ذلیل
آنکھوں میں گھر ہے مری خاکسترِ برباد کا
اے پری رو کون ہے تیرا جو دیوانہ نہیں
شہر پر عالم ہے صحرائے جنوں آباد کا
اب بھی او بت آ جو آنا ہے خدا کے واسطے
غم کلیجہ کھا رہا ہے آتشِ ناشاد کا

خار دامن سے الجھتے ہیں بہار آئی ہے
چاک کرنے کو کیا گل نے گریباں پیدا
نشہ مے میں کھلی دشمنی دوست مجھے
آبِ انگور نے کی آتشِ پنہاں پیدا

موجد اس کی ہے سیہ روزی ہماری آتش!
ہم نہ ہوتے تو نہ ہوتی شبِ ہجراں پیدا

○

فریبِ حسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا
خدا کی یاد بھولا شیخ بت سے برہمن بگڑا
نہیں بے وجہ ہنسنا اس قدر زخمِ شہیداں کا
تری تلوار کا منہ کچھ نہ کچھ اے تیغ زن بگڑا
لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا
بناوٹ کیفِ مے سے کھل گئی اس شوخ کی آتش
لگا کر منہ سے پیمانہ کو وہ پیماں شکن بگڑا

○

نہ چھوٹے گا چھرا اگر اس کو اے قاتل نہ بن لڑکا
وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبہ ہے کیچڑ کا
زوالِ حُسن ہے عاشق کنارہ کرتے جاتے ہیں
بہارِ باغ ہوتی ہے خزاں موسم ہے پت جھڑ کا
عجب محبوب با شوکت ہے اے بادِ بہاری تو
صدائے خندۂ گل ہے سواری کا تری کڑکا

○

روا رکھ کلفتِ ایام میں بھی قدر نیکوں کی
پھٹے کپڑوں میں بھی ان کو سمجھ لے لعل گودڑ کا
سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

ہے جب سے دستِ یار میں ساغر شراب کا
کوڑے کا ہو گیا ہے کٹورا گلاب کا
صیاد نے تسلیِ بلبل کے واسطے
کنجِ قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا
مسجد سے میکدے میں مجھے نشہ لے گیا
موجِ شراب جادہ تھی راہِ صواب کا
چاہے شکستِ جہل تو تحصیلِ علم کر
وابستہ یہ طلسم ہے لوحِ کتاب کا

چمن میں شب کو جو وہ شوخ بے نقاب آیا
یقین ہو گیا شبنم کو آفتاب آیا
ان انکھڑیوں میں اگر نشہ شراب آیا
سلام جھک کے کروں گا جو پھر حجاب آیا

اسیر ہونے کا اللہ رے شوق بلبل کو!
جگایا نالوں سے صیاد کو جو خواب آیا
محبت مے و معشوق ترک کر آتش
سفید بال ہوئے موسم خضاب آیا

○

رنج و راحت کا بہر ے واسطے ساماں ہوگا
مشعل راہ عدم داغ عزیزاں ہوگا
اس کے عاشق ہیں بس خرد و بزرگ اے آتش
رشک ہوگا مجھے گر طفل بھی گریاں ہوگا

○

ظہور آدم خاکی سے یہ ہم کو یقین آیا
تماشا انجمن کا دیکھنے خلوت نشیں آیا
ہنسیں تیرے کرم سے جام مثل برق اے ساقی
مبارک ہو تجھے ہم کو ابر باراں آفریں آیا
پری شیشے میں اتری ہے کیسے! قالب میں روح آئی
عجیب انداز سے آغوش میں وہ نازنین آیا
مصور کو تری تصویر کا سودا مبارک ہو
مقام گیسوئے مشکیں و خال عنبریں آیا
نہ ہوگا حسن کا مجھ سا بھی عاشق کوئی دنیا میں
نیا نہ اس سے کیا پیدا نظر جو نازنیں آیا

○

فرطِ شوق اس بت کے کوچہ میں لگا لیجائیگا
کعبۂ مقصود تک مجکو خدا لیجائیگا

حسن دکھلا دیگا اے بت تجھ میں شان اللہ کی
تیرے آگے عالم اپنی التجا لے جائیگا

○

لبھاتا ہے نہایت دل کو خطِ رخسارِ جاناں کا
گھسیٹے گا مجھے کانٹوں میں سبزہ اس گلستاں کا

چھری صیاد نے حلقوم بلبل پر جو پھیری ہے
بنا ہے نخلِ ماتم ہر شجر میرے گلستاں کا

خطِ نورس نے دلوائے لب جاں بخش کے بوسے
دکھایا خضر نے آتش کو چشمہ آبِ حیواں کا

○

خدا مرے تو سودا ہے تری زلفِ پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے سنبلستاں کا!

گوش زد جس کے تمہاری چشم کا افسانہ تھا
آ ہوئے مست اس کی آنکھوں میں سگِ دیوانہ تھا

اے پری پیکر نہ جنت میں ترا دیوانہ تھا
یہ جو روشن ہے چراغ حسن پہلے پروانہ تھا

اٹھتے ہی تیرے دگرگوں ہو گیا رنگِ نشاط
جام خالی میکدے میں سنگ ماتم خانہ تھا

واہ رے انداز و ناز اللہ رے کبر و غرور
جان یاں جاتی رہی واں نازِ معشوقانہ تھا

آجکل سے سلسلہ مہر و محبت کا نہیں!
عالم ارواح میں میرے ترے یارانہ تھا

حال پر اپنے توجہ کی نظر تھی جن دنوں
آفتاب ذرہ پرور جلوۂ جانانہ تھا!

حسن دیکر عاشق شیدا دیے اللہ نے
ان بتوں کو لازم آتش سجدۂ شکرانہ تھا

○

بلبل کو سازدار ہو موسم بہار کا
عہدِ شباب مجھکو مبارک ہو یار کا

باغِ طلسم چہرۂ رنگیں ہے یار کا
رہتا ہے چار فصل میں موسم بہار کا

اس بادشاہِ حسن کے در کا فقیر ہوں — ظلِ ہما سواد ہے جس کے دیار کا

وعدہ خلاف یار سے کہیو پیام بر — آنکھوں کو روگ دیکھئے ہو انتظار کا

فصلِ بہار آئی کہیں قطع ہو چکے — دامن سے سلسلہ یہ گریباں کے تار کا

کریں گے افترا شاعر قبائے یار پر کیا کیا
بندھیں گے باندھنوں اس لٹ پٹی دستار پر کیا کیا
گیا ہوں بعد مدت کے جو میں دیوانہ صحرا میں
پڑی ہے آبلوں کی آنکھ نوکِ خار پر کیا کیا
شبِ فرقت میں اس کمانِ ملاحت کے تصور نے
نمک چھڑکا ہے زخمِ دیدۂ بیدار پر کیا کیا!
رکی واں بھی طبیعت بدگمانی سے محبت کی
چمن میں گل سے کھٹکا ہوں میں قربِ خار پر کیا کیا
ہوا جو گوش زد افسانہ حسنِ یار کا آتش
ہماری رال ٹپکی شربتِ دیدار پر کیا کیا

گلوں نے کپڑے پھاڑے ہیں قبائے یار پر کیا کیا
حنا پس پس گئی ہے دست و پائے یار پر کیا کیا
کئے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کیا کیا

سمجھا رکھا ہے احوالِ قیامت ہم نے آنکھوں کو
بندھے گی ٹکٹکی اپنی تقاضے یار پر کیا کیا

کھلا ہے خوش خرامِ ناز کا عالم جو دکھلا کر
ملیں ہیں ہم نے آنکھیں پست پائے یار پر کیا کیا

نہیں آنے کا میرے بعد شانہ کا خیال آتش
پڑے ہیں گے زیچ گیسوئے رسائے یار پر کیا کیا

○

مر گئے پر نہ اثر جب شفا کا دیکھا
دردمندوں نے ترے منہ نہ دوا کا دیکھا

تیرے پھرنے سی اداسی سی چمن پر چھائی
رنگ بے رنگ گلستاں کی ہوا کا دیکھا

ہر ستارے سے لڑی آنکھ ہر اک گل سونگھا
تھا تماشا جو کچھ اس ارض و سما کا دیکھا

ذرے کی طرح سے ہم نے بھی لڑائی آنکھیں
رخ جب اپنی طرف اس مہر لقا کا دیکھا

کھوئے قاتل کا تماشا اسے دکھلا آتش
گرم جینے نہ ہو بازارِ فنا کا دیکھا

○

ناز و ادا کو ترک مرے یار نے کیا
غمزہ بنایہ ترک ستمگار نے کیا

قامت تری دلیل قیامت کی ہو گئی
کام آفتابِ حشر کا رخسار نے کیا

فرصت ملی نہ گریہ سے اک لحظہ عشق میں
پانی مرے لہو کو اس آزار نے کیا

اعجاز کا عجب لبِ جاں بخش سے نہیں
پیغمبر اسکو مصحفِ رخسار نے کیا

طرہ کی طرح سے دل عاشق کو پیچ ہیں
کس کس لپیٹ سے تری دستار نے کیا

آنکھوں کو بند کر کے تصور میں باغ کے
گلشن قفس کو مرغِ گرفتار نے کیا

اٹھا اِدھر نقاب تو پردے پڑے اُدھر — آنکھوں کو بند جلوۂ دیدار نے کیا
لذت کو ترک کر تو ہو دنیا کا رنج دور — پرہیز بھی دوا ہے جو بیمار نے کیا
دیوانِ حسنِ یار کی آتش جو سیر کی
دیوانہ بیت ابروئے خمدار نے کیا

قابو میں یار عشق کی تاثیر سے ہوا! — کیا حسن اتفاق یہ تدبیر سے ہوا
جھڑنے لگے جو منہ سے اس آرامِ جاں کے پھول — دل باغ باغ یار کی تقریر سے ہوا
آئینہ خیال کو منظور تو رہا! — جب سامنا ہوا تری تصویر سے ہوا
مارا پڑا میں جنبشِ ابرو سے بے گناہ — رتبہ شہید کا تری شمشیر سے ہوا
اے پیرِ عقل پھر نہیں آتش ترا مرید!
تقدیر کے خلاف جو تدبیر سے ہوا

تری مستانہ آنکھوں کی نہ گردش کا اثر دیکھا
مے گلرنگ سے سو سو طرح پیمانہ بھر دیکھا
سوادِ گیسوئے مشکیں میں ظلمت شام کی پائی
بیاضِ گردنِ محبوب میں نورِ سحر دیکھا
خدا کی شان اے بت جلوہ گر ہے حسن سے تیرے
تجلی طور پہ دیکھی جو تجھ کو بام پر دیکھا

بدخشاں دیمن چھانا لگائے غوطے دریا میں
نہ لب سا لعل اے آتش نہ دنداں سا گہر دیکھا

صوفیوں کو وجد میں لاتا ہے نغمہ ساز کا
شبہ ہو جاتا ہے پردے سے تری آواز کا
یہ اشارہ ہم سے ہے انکی نگاہ ناز کا
دیکھ لو تیر قضا ہوتا ہے اس انداز کا
حیرت آنکھوں کو ہے نظارہ میں اس محبوب کے
یہ نہیں کھلتا کہ دل کشتہ ہے کس انداز کا

بلا سے جاں مجھے ہر ایک خوش جمال ہوا
چھری جو تیز ہوئی پہلے میں حلال ہوا
گرو ہوا تو اسے چھوٹنا محال ہوا
دل غریب مرا مفلسوں کا مال ہوا
کمی نہیں تری درگاہ میں کسی شے کی
وہی ملا ہے جو محتاج کا سوال ہوا
دکھا کے چہرۂ روشن وہ کہتے ہیں سر شام
وہ آفتاب نہیں ہے جسے زوال ہوا
سنا جمیل بھی تیرا جو نام اے محبوب
ہزار جاں سے دل بندۂ جمال ہوا

کیا تھا اسے بوسہ بازی نے پیدا
کمر کی طرح سے جو غائب وہاں تھا

زعم میں اپنے یہ نافہم جو استاد ہیں سب
معترض ہوجئے تو قابلِ ایراد ہیں سب

آجکل چاہنے والوں سے خفا ہے وہ شوخ
مستحقانِ کرم موردِ بیداد ہیں سب

قطع ہوجائے اگر سلسلۂ مہر و وفا
پھر گرفتار نہیں ہے کوئی آزاد ہیں سب

شوق ہے دل میں تو آنکھوں میں تصور اس کا
منزلیں جلوۂ محبوب کی آباد ہیں سب

قامتِ یار ہے بانیِ قیامت آتش
فتنہ پردازیاں اس چشم کی ایجاد ہیں سب

روز و شب ہنگامہ برپا ہے میانِ کوئے دوست
ہڈیوں پر میری لڑتے ہیں سگانِ کوئے دوست

حور کی تعریف گویا یار کی تعریف تھی
ذکر کو جنت کے میں سمجھا بیانِ کوئے دوست

ہمنشیں کہتے ہیں افسانہ سے آجاتی ہے نیند
ہجر کی شب میں سنوں گا داستانِ کوئے دوست

رشک اسے کہتے ہیں میں نے صاف اُسے سمجھا رقیب
صورتِ دیوار اگر دیکھی میانِ کوئے دوست

قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشانِ کوئے دوست

آتش اہلِ کربلا سے جل کے اب کہتا ہوں میں
اے خوشا طالع تمہارے ساکنانِ کوئے دوست

تار تار پیرہن میں بھر گئی ہے بوئے دوست
مثلِ تصویرِ نہالی میں ہوں یا پہلوئے دوست

ہجر کی شب ہو چکی روزِ قیامت ہے دراز
دوش سے نیچے نہیں اترے ابھی گیسوئے دوست

واہ رے شانہ کی قسمت یہ کسے معلوم تھا
پنجۂ شل سے کھلیں گے عقدہ ہائے موئے دوست

یاد کرکے اپنی بربادی کو رو دیتے ہیں ہم
جب اڑاتی ہے ہوائے تند خاکِ کوئے دوست

جلوۂ حسنِ پری دکھلا رہی ہے فصلِ گل — عقلِ کل کہتا ہے اسے جو کوئی ہے دیوانہ آج
آمد آمد اس سراپا نور کی ہے بزم میں — شمع اڑ جائے جو ہاتھ آوے پروانہ آج
نزع کی مشکل بھی آساں ہوتی ہے آتش نہ ڈر — شاہِ مرداں سے طلب کر ہمتِ مردانہ آج

قاتل اپنا جو کرے گنجِ شہیداں آباد — دہنِ زخم کہیں خانۂ احساں آباد
کوچۂ یار میں ہو روشنی اپنے دم کی — کعبہ و دیر کریں گبر و مسلماں آباد
کثرتِ داغِ محبت سے الٰہی بھر دے — منزلِ دل کو کریں آ کے یہ مہماں آباد

جس طرف دیکھئے آتا ہے نظر وہ محبوب
جلوۂ یار سے ہے عالمِ امکاں آباد

اے جنوں رکھیو بیاباں کو سواری تیار
آجکل چلنے کو ہے بادِ بہاری تیار

دل تو کہتا تھا نکل چلنے کو پر چلتے وقت
پیشتر دل سے ہوئی جان ہماری تیار

سرمہ اندھیر، حنا قہر، قیامت مسّی!
فتنہ انگیزی کی ترکیبیں ہیں ساری تیار

اس زمانے میں سپاہی نہیں بیکاری ہیں
نہ تو تلوار بھی ہے نہ کٹاری تیار

حکم رانی پہ ہوا میل سلیمان بہار
عشق پیچاں بن گیا طغرائے فرمان بہار

زخمِ خنداں یار بیں ہے روئے خنداں بہار
تیر باراں بلا ہے مجکو بارانِ بہار

لالہ و گل سے ہنوز آباد ہے بزمِ چمن
سرو شمع سبز ہے سنبل شبستان بہار

نخلِ ماتم کی طرح ہوں بوستانِ دہر میں
نے ثمر اوار خزاں آتش نہ شایان بہار

○

گرد کلفت جم رہی ہے ہر زماں بالائے سر
کیا زمیں پیدا کرے گا آسماں بالائے سر

پار اتر جاؤں کرم سے تیرے اے بادِ مراد
زیرِ پا کب سے ہے کشتی بادباں بالائے سر

بلبل و قمری برابر دونوں ہونے میں حلال
گل کو رکھتا ہے جو وہ سرو رواں بالائے سر

کونسا حلقہ ہے جس میں ایک دل عاشق نہیں
طرۂ گیسو ہے اس گل کو گراں بالائے سر

قتل جب چاہے کرے آتش وہ ترک جنگجو
لے گلے میں ہے زرہ نے خود یاں بالائے سر

○

ذرہ خورشید ہو پہنچے جو دربار کے پاس
سایہ بن جائیے ہما لوٹ کے دیوار کے پاس

سینکڑوں تشنۂ دیدار ہیں معلوم نہیں
کس کی قسمت کا ہے پانی تری تلوار کے پاس

باغِ عالم میں جو رکھا ہے قدم اے آتش
خندہ زن گل کی طرح بیٹھ کے ہو خار کے پاس

○

جلا ہوں شمع کے مانند عمر بھر خاموش — تمام عمر کٹی قصہ مختصر خاموش

کام ہے شیشہ سے ہم کو اور ساغر سے غرض — مست رہتے ہیں شراب روح پرور سے غرض
فرش قالین و نمد کا آشنا ہوتا نہیں — آتش درویش کو ہے اپنے بستر سے غرض

سبزے سے خط یار کے ہوتا ہے غم غلط — کیونکر کہیں نوشتۂ قسمت کو ہم غلط

نشہ عشق کا اثر ہے شرط — لب خشک اور چشم تر ہے شرط
قول پر قول ہم سے یار سے ہے — شرط پر شرط شرط پر ہے شرط
یہ تمنا ہے بندگی بندی — اس قدر ہو کہ جس قدر ہے شرط
توبۂ مے کے توڑنے کے لئے — ساقی غیرت قمر ہے شرط
عشق میں صبر کار مشکل ہے — دل کے خون کرنے کو جگر ہے شرط
طور سے کیا کیا تجلی نے — حسن بے پردہ سے حذر ہے شرط

اللہ ہو دے بلبل ناشاد کی طرف — گلچیں جو بولتا ہے صیاد کی طرف
لایا ہے عشق حسن کو زنجیر سے کشاں کشاں — آتا تھا کون عالم ایجاد کی طرف
سمجھے نہ معصیت کوئی اپنا بتوں سے عشق — ناظر ہے حسن خداداد کی طرف
ملاقیت ہے کسی کی دیکھیے جو غیرت کی آنکھ سے — اس فتنہ و فساد کی بنیاد کی طرف
آتش یہ وہ زمیں ہے کہ جس میں شفیق من — سودا ہوا ہے میر سے استاد کی طرف

کسی حسین کی ہو کیا قدر یار کے نزدیک
وہ گلعذار ہے یکتا ہزار کے نزدیک!

شراب پینے کی کرتی ہے فصلِ گل تکلیف
دن آتے ہیں لیط جیسے کہ شکار کے نزدیک

کر دور کوس سے میخانہ دور ہو ہر چند
کرم کرے تو ہے ابر بہار کے نزدیک

بلا سے ایک اگر کشتہ ہو گیا مجھ سا
تری نمود تو قاتل ہے چار کے نزدیک

ہزار پست کیا ہے فلک نے اے آتش
بلند قدر ہیں ہم اعتبار کے نزدیک

○

دردِ دل کا جو کہا میں نے فسانہ شبِ وصل
نیند آنے کا ہوا اوسکو بہانہ شبِ وصل

صبح ہوتے ہوئے اس بت نے قدم رنجہ کیا
نہ رہا شکر و شکایت کا زمانہ شبِ وصل

مرتے ہیں رشک کے مارے پس دیوار رقیب
شور کرتا ہے جو پازیب کا دانہ شبِ وصل

وقت کو ہاتھ سے کھونا ہے غضب غفلت میں
موت ہے کم نہیں کچھ نیند کا آنا شبِ وصل

یار وحشی کو یہ لائی ہے بغل میں آتش
دام عنقا ہے جسے کہتے ہیں دانا شبِ وصل

○

غیرت مہر رشک ماہ ہو تم
خوبصورت ہو بادشاہ ہو تم

جس نے دیکھا تمہیں وہ مر ہی گیا
حسن سے تیغ بے پناہ ہو تم

ہم سے پردہ وہی حجاب کا ہے
کوچۂ گردوں سے روبراہ ہو تم

دونوں بندے اسی کے ہیں آتش
خواہ ہم اس میں ہوویں خواہ ہو تم

○

مرے صنم کا کسیکو مکاں نہیں معلوم
خدا کا نام سنا ہے نشاں نہیں معلوم

کھلی ہے خانۂ صیاد میں ہماری آنکھ
قفس کو جانتے ہیں آشیاں نہیں معلوم

کنارِ آب چلے دورِ جام بالبِ کشت
شکار ہووے بط سے کہاں نہیں معلوم

○

قیدِ ہستی سے ہنوز آزادگی حاصل کہاں
روح سے چھوٹا ہے زنداں آبِ گل کہاں

طوفِ کوئے یار کی حسرت نہیں نکلی ابھی
طے ہوئی ہے کعبۂ مقصود کی منزل کہاں

عشق کے صدمے اٹھانیکو جگر بھی چاہیئے
خون ہوا میری طرح آتش کسی کا دل کہاں

○

بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں
حواسِ خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں !

صدا یہ قبر سے بیدار دل کو آتی ہے
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خوابگاہ نہیں

نہ پاک ہوگا کبھی حسن و عشق کا جھگڑا
وہ قصہ ہے یہ کہ جس کا کوئی گواہ نہیں

○

زنارِ عشق بت ہیں رگِ جاں سے ان دنوں
ناقوس برہمن دلِ نالاں ہے ان دنوں

آباد میرا خانۂ ویراں ہے ان دنوں
سیلاب مجھ غریب کا مہماں ہے ان دنوں

دامن ہے اپنے ہاتھ میں اک رشکِ ماہ کا
پیشِ نظر ہلال گریباں ہے ان دنوں

آتا ہے سیرِ باغ کو وہ گوہرِ مراد
پھیلا گل کے پاس جو داماں ہے ان دنوں

جوہر شناس جمع ہیں آتش ہے معرکہ
شمشیر ہے وہی کہ جو عریاں ہے ان دنوں

○

برق کو اس پر عبث گرنے کی ہیں تیاریاں
برگِ گل ہی آشیاں کو اپنے ہیں چنگاریاں

عہدِ طفلی میں بھی تھا میں بسکہ سودائی مزاج
بیڑیاں منت کی بھی پہنیں تو بھاریاں

○

وہ بزم ہے یہ کہ لاخیر کا مقام نہیں — ہمارے گنجفے میں بازی غلام نہیں
چمن سے بلبل و قمری کا عشق حیرت ہے — ثبات گل کو نہیں سرو کو قیام نہیں
بتوں کے قہر و غضب کا کسے ہے اندیشہ — خدا نہیں یہ پیمبر نہیں امام نہیں
بلند ہو نہ زمیں سے مرا مزار آتش — نشان قبر سے منظور مجھ کو نام نہیں

شمع گل ہووے جو صبح شب ہجراں مانگوں — اوس پڑنی بھی ہو موقوف جو باراں مانگوں
خاک میں بھی جو ملوں میں تو کسی صحرا میں — تم سے مٹی بھی نہ اے گبر و مسلماں مانگوں
ملنی ہو مانگنے سے بار جہاں سے جو مراد — گل سے بلبل کے کفن کے لیے داماں مانگوں
کب سے در پر ترے سائل ہوں میں آتش کی طرح — وہ ملے مجھ کو جو کچھ اے شہ خوباں مانگوں

اس کی رسوائی بھلا مد نظر کیونکر کریں — میرے ماتم میں عزیزان چشم تر کیونکر کریں
شام سے سویا ہے بالوں سے چھپا کر منہ کو یار — یہ شب غم دیکھئے عاشق سحر کیونکر کریں
دردِ سر کے واسطے صندل نہ رگڑا جائے گا — ہو سکے آتش نہ جو وہ دردِ سر کیونکر کریں

بلا اپنے لئے وابستہ نادان مول لیتے ہیں — عبث جی بیچ کر الفت کو انسان مول لیتے ہیں
میں اس گلشن کا بلبل ہوں بہار آنے نہیں پاتی — کہ صیاد آن کر میرا گلستان مول لیتے ہیں!
مگر جانا نہیں شاید کہ یاں سے اہل عالم کو — یہ دو دن کے لئے کیا قصر و ایوان مول لیتے ہیں
میرا آتش نالہ عشاق معشوقوں کو بھایا ہے — کہ صیاد دن سے مرغان خوش الحان مول لیتے ہیں

برابر جان کے رکھا ہے اس کو مرتے مرتے تک
ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسوں

لباسے کا تشکارا برہنہ ہو امیں جاکے کھیلا ہے
کیا ہے غم غلط ہم نے کنارِ آبجو برسوں

دیا ہے حکم تب پیرِ مغاں نے سجدۂ خم کا
کیا ہے جب شرابِ ناب سے ہم نے وضو برسوں

○

ایک سے سانی ہی سرو باطن نہیں معشوقوں کا
پردۂ ناز میں بیداد کیا کرتے ہیں

شاعروں نے قدِ موزوں کو نثر کیا ہے
مصرعِ سرو پہ ایراد کیا کرتے ہیں

سنتے ہیں شوقِ شہادت کا جو میرے شہر
یادِ آتش مجھے جلاد کیا کرتے ہیں

خدا بخشے صنم یہ کہکے مجھ کو یاد کرتے ہیں
دعائے مغفرت میرے لئے جلاد کرتے ہیں

خدا جانے یہ آتش کہے گی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئینہ کو یاد کرتے ہیں

یہ شاعر ہیں الٰہی یا مصور پیشہ ہیں کوئی
نئے نقشے نرالی صورتیں ایجاد کرتے ہیں

زباں سے اپنے دیوانہ نہ کہہ اے ماہر مجھ کو
وہی ہوتا ہے جو صاحب کمال ارشاد کرتے ہیں

پہنتے ہی کفن میلا ہوا جاتا ہے اے آتش
سرائے گورِ ویراں ہے اسے آباد کرتے ہیں

○

ہنوز ہے کئی ساغر شراب شیشے میں
ہنوز باقی ہے اپنا حساب شیشے میں

وہ میرزا منش آنکلے شاید اے ساقی
شراب چیدہ رہے انتخاب شیشے میں

بتاتے رکھتے ہیں ساقی اگر دیا جا ہے
سوال کا ہے ہمارے جواب شیشے میں

یہ ہم سے نشہ میں ہو دیگی بے محل حرکت
شراب پی کے بھریں گے کباب شیشے میں

وہ رنگ آئے تو دورے میں اپنے حاضر ہے
کباب سیخ پہ آتش شراب شیشے میں

○

سرمہ منظورِ نظر ٹھہرا ہے چشمِ یار کو　　نیلگوں گنڈا پنہایا مردمِ بیمار کو
حسنِ بے پردہ کا عالم جادہ گر پاتا ہوں میں　　دم پھڑک جاتا ہے عریاں دیکھ کر تلوار کو
بوٹیاں اپنے کفِ پا کی جو صحرا میں اڑیں　　رتبۂ سیخِ کباب آتش ملا ہر خار کو

○

نظارۂ صورت سے معنی کا خیال آیا　　لیلیٰ کے ہوئے مجنوں ہم دیکھ کے محمل کو

○

ٹھوکریں مار کے مردوں کو جلاتے نہ چلو
رشک سے خاک میں زندوں کو ملاتے نہ چلو
باغ میں آئے ہو ساتھ ان کے بھی بھر لو دو گام
کبک و طاؤس کا جھگڑا ابھی چکاتے نہ چلو
مشقِ رفتار کرو گرم روی کی نہ سہی
کون سی چال ہے یہ آگ لگاتے نہ چلو

جدھر چلتے ہو ہر گھر میں سے یہ آواز آتی ہے
مسیحا ہو جو بیماروں کو دم بھر دیکھتے جاؤ!
قدم انداز سے باہر ہوئے جاتے ہیں صاحب کیسے
ستم رفتار میں کرتی ہے ٹھوکر دیکھتے جاؤ
روشِ مستانہ چلتے ہو قدم سیدھا نہ پڑتے ہیں
خدا کے واسطے پھر پیمبر دیکھتے جاؤ

نقاب اکدن الٹ کر تم نے یہ منہ سے نہ فرمایا
جمال آفتاب ذرّہ پرور دیکھتے جاؤ
نہ پھیرو اس سے منہ آتش جو کچھ درپیش آ جائے
دکھاتا ہے جو آنکھوں کو مقدر دیکھتے جاؤ

○

معشوق نہیں کوئی حسیں تم سے زیادہ　　مشتاق ہیں کس ماہ کے انجم سے زیادہ
ٹھوکر ہے تری صاحب اعجاز مسیحا　　نازاں تری خلخال کا ہے خم سے زیادہ
حسرت کی نگاہوں سے عیاں حال ہے میرا
گویا ہوں خموشی میں تکلم سے زیادہ
کہتا ہے وہ شوخ آئینہ میں عکس سے آتش
تم ہم سے زیادہ نہ ہم تم سے زیادہ

○

ظلم مردوں پر کیا مشق خرام یار نے　　ہر قدم پہ کاسۂ سر ٹھوکریں کھانے لگے
مر بھی جاؤں تو نہ آتش گور پر آئے وہ گل　　کام تمکیں کو غرور حسن فرمانے لگے

○

یقیں ہے اٹکے گی جان اپنی آ کے گردن میں
سنا ہے جا ہے قریب رگِ گلو تیری

شب فراق میں اک دم نہیں قرار آیا — خدا گواہ ہے شاہد ہے آرزو تیری
پڑھا ہے ہم نے ہی قرآن قسم ہے قرآں کی — جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری
یہ چاک جیب کے حق میں دعائے مجنوں ہے — نہ ہو وہ دن کہ درستی کرے رفو تیرا
زمانہ میں کوئی تجھ سا نہیں ہے سبقت زبان — رہے گی معرکہ میں آتش آبرو تیری

○

حسرت جلوۂ دیدار لئے پھرتی ہے — پیش روزن پس دیوار لئے پھرتی ہے
رنج لکھا ہے نصیبوں میں مرے راحت ہے — خواب میں بھی ہوس یار لئے پھرتی ہے

○

وہ صبح عید جو بالائے بام ہوتا ہے — مہ صیام میں روزہ حرام ہوتا ہے
خدا کی یاد جوانی میں غافلو کر لو — دگرنہ وقت فضیلت تمام ہوتا ہے
الٰہی کیوں نہیں خواہاں کوئی صنم اس کا — یہ دل تو شرط وفا پر غلام ہوتا ہے

کمند شوق ہو درگاہ عشق کی رہبر
یہ آستانہ بلندی میں بام ہوتا ہے

○

جمال حور و پری پر ہے طعنہ زن مٹی — بلائے جاں ہوئی سرخ و سفید بن مٹی
ہمیشہ جھاڑتے ہیں گرد پیرہن غافل — نہیں سمجھتے کہ ہے زیر پیرہن مٹی
زمانہ میں کوئی غربت زدہ نہیں ہم سا — اڑی نہ اپنی کبھی جانب وطن مٹی
ہوائے تند سے رہتا ہے بیم بربادی — تپ درون نے کیا ہے زبس بدن مٹی
نہ ہووے قالب خالی غبار خاطر روح — قبول سینہ کے اوپر ہزار من مٹی

کسی نے اف بھی نہ کی شمع جل کے خاک ہوئی
ہنوز ہے گی مگر آتش یہ انجمن مٹی

آنکھ پڑتے ہی قرار و صبر و طاقت لے گئے
خال مشکیں دلبری میں گوئے سبقت لے گئے
عالم اسباب سے حاصل ہوا آخر کفن
چلتے چلتے آسماں سے ہم بھی خلعت لے گئے
دیکھ سکتے تھے کہاں کافر مسلماں کی نمود
کھود کر بت ساز آتش سنگ تربت لے گئے

چلی ہے ایسی زمانہ میں کچھ ہوا الٹی — کہ سیدھی بات سمجھتے ہیں آشنا الٹی
بیان حالت دل پیش یار ہو نہ سکا — زبان کبھی نہ دم عرض مدعا الٹی
کسی طرح سے نہ ٹوٹا طلسم حسرت و یاس — در قبول سے ٹکرا کے مری دعا الٹی
گلہ ہے حشر کے دن ہم کو سخت جانی سے — ہزار بار پھری آ کے قضا الٹی
نگاہ یار کے پھرتے ہی ہم سے اے آتش — زمانہ پھر گیا چلنے لگی ہوا الٹی

شب برات جو زلف سیاہ یار ہوئی — جبیں سے صبح مہ عید آشکار ہوئی
گذر ہوا جو کبھی مرقد غریباں پر — گھٹائیں پھوٹ پڑیں برق بیقرار ہوئی
بھری ہے دل میں نہیں آرزو شہادت کی — تڑپ گیا میں جو تلوار آب دار ہوئی
سنا ہے قصہ مجنون و وامق و فرہاد — کسیکو عاشقی آتش نہ سازگار ہوئی

نام کو میرے بھی احباب میں اپنے لکھے ذرہ سمجھا رہے وہ مہر جہانتاب مجھے

○

زاہد فریفتہ ہیں مرے نونہال کے عاشق بزرگ لوگ ہیں اس خردسال کے

○

تری ابروئے پیوستہ کا عالم میں فسانہ ہے کسی استاد شاعر کی یہ بیت عاشقانہ ہے
گریباں پھاڑ کر دیوانہ نے زنجیر کیوں پہنی کرے کیا عقل؛ دخل اس میں جنوں کا کارخانہ ہے
بپھرا آتا ہے عبث واعظ اس بیباک رندے سے تکلف برطرف یاں لاابالی کارخانہ ہے
نہ مطلب کشت سے رکھے نہ خرمن سے غرض آتش
سمجھ لے اپنے منہ میں مور جو قسمت کا دانہ ہے

○

شب فرقت میں یار جانی کی درد پہلو نے مہربانی کی
جس کو کہتے ہیں چودھویں کا چاند تیری تصویر ہے جوانی کی
ہو گیا عشق حسن سے ناگاہ پوچھتے کیا ہو ناگہانی کی
لب جاں بخش کے قریب خط شرح ہے متن زندگانی کی

○

وہی چتون کی خونخواری جو آگے تھی سو اب بھی ہے
تری آنکھوں کی بیماری جو آگے تھی سو اب بھی ہے
وہی نشو و نمای سبزہ ہے گور غریباں پر
ہوائے چرخ زنگاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

اے صنم جس نے تجھے چاند سی صورت دی ہے
اسی اللہ نے مجھکو بھی محبت دی ہے

تیغ بے آب ہے نے بازوئے قاتل کمزور
کچھ گراں جانی ہے کچھ موت نے فرصت دی ہے

کمر یار کے مضمون کو باندھو آتش
زلف خوباں سی رسا تم کو طبیعت دی ہے

○

بیداد کے محفل میں سزاوار ہمیں تھے
تقصیر کسی کی ہو گنہگار ہمیں تھے

جب چلے جاتے تھے لپٹ لیتے تھے آغوش میں تم کو
مجبور سے رہ جاتے تھے مختار ہمیں تھے

بھڑکانے سے آتش کے جلانے لگے یا تو
الطاف و عنایت کے سزاوار ہمیں تھے

○

آبلے پاؤں کے کیا تو نے ہمارے توڑے
خار صحرائے جنوں عرش کے تارے توڑے

سلسلہ اپنی گرفتاری کا کب قطع ہوا
پہنی پازیب انہوں نے جو اتارے توڑے

مست مجھ سا بھی کوئی نشہ کا ہوگا نہ حریص
پی کے مے جام کے دانتوں سے کنارے توڑے

کنج عزلت میں بٹھایا ہے خدا نے آتش
اب جو تم بان سے ہلے پاؤں تمہارے توڑے

○

بہت آتا ہے یاد اے صبر مسکین
خدا خوش رکھے تجھ کو تو جہاں ہے
قد محبوب کو شاعر کہیں سرو
قیامت کا یہ اے آتش نشاں ہے

○

بادباں کا کام کرتی ہے گھٹا برسات کی
کشتی مے سے موافق ہے ہوا برسات کی
کیف مے کا ابر باراں میں ہوا دل کو دوچند
ہم نے لیے ساقی کے رو رو کر بلائیں برسات کی

○

مدہوش کیف مے سے وہ بالا بلند ہے
اقبال ساغر و خم و مینا بلند ہے
پروانے جلتے ہیں تری برق جمال سے
شمعوں کے سر سے آتش سودا بلند ہے
دو ساغر شراب ہیں دو چشم مست یار
گردن مثال گردن مینا بلند ہے
پوشاک سرخ پہنے ہیں وہ بام پر کھڑے
اپنی نظر میں طور سے شعلہ بلند ہے

○

آتش یہ جان لے جو سر مو سفید ہو
شب ہے اخیر صبح کا تارا بلند ہے

○

کرتا ہے ناز وہ شہ خوباں نئے نئے
آئین تازہ تازہ ہیں فرمان نئے نئے

○

شیشے شراب کے رہیں آٹھوں پہر کھلے
ایسا گھرے کہ پھر نہ کبھی ابر تر کھلے

○

دیوانِ دوم

○

عاشق شیدا علی مرتضےٰ کا ہو گیا
دل مرا بندہ نصیری کے خدا کا ہو گیا

○

باران کی طرح لطف و کرم عام کئے جا
آیا ہے جو دنیا میں تو کچھ نام کئے جا
اے نرگس خود کام ملے خاک میں کوئی
تو پیروی گردش ایام کئے جا!
کاکل کا اشارہ یہی اس رخ سے ہے ہتا
مشتاق سے اپنے سحر و شام کئے جا
الٹی ہے مرت انکی تجھے بوسہ ہی ملے گا
آتش حرکت قابلِ دشنام کئے جا

○

رہا کرتا ہے درد اک رات دن بے یار پہلو میں
دل نالاں ہوا ہے خانۂ بیمار پہلو میں

آرزو ہے تجھے سجدے سحر و شام کریں
ہمہ تن ہو کے زبان ورد ترا نام کریں
میرے ماتم میں وہ کپڑے نہ سیہ فام کریں
خود بھی رسوا ہوں مجھ کو بھی نہ بدنام کریں
شب کو جاتا ہوں تو منہ پھیر کے وہ کہتے ہیں
نیند آتی ہے ہمیں آپ بھی آرام کریں

بہار لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں
گریباں پھاڑ کر چل بیٹھئے صحرا کے دامن میں
سنا ہے عاشقوں سے برق وش بھی نام جو اپنا
تماشا دیکھتے ہیں وہ لگا کر آگ خرمن میں
نہیں زندان جو قصر یار میں پروا نہیں ہم کو
نگاہ شوخ رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں
طریق عشق میں آتش قدم مجھ سا نہ گزرے گا
گریباں میں بجھی ہے جب لگی ہے آگ دامن میں

شریف کعبہ کو کعبہ مبارک ہم تو اے آتش!
بتوں کے گھورنے کو جاتے ہیں دیر برہمن میں

اسیر لطف و کرم کی رہائی مشکل ہے
نگیں کو نام سے تیرے جدائی مشکل ہے
پھرا یا سر کو ترے زمزموں نے اے بلبل
خفا نہ ہو تو کہوں خوشنوائی مشکل ہے
حیا سے یار نے بدلا جو کیفیت سے میں رنگ
یقیں ہوا یہ ہمیں پارسائی مشکل ہے

بہار آئی مرادِ چمن خدا نے دی
شگفتہ غنچہ ہوئے بوئے گل صبا نے دی
دکھائے رنگ خط نے یار کے اعجاز
گلیم پوشش کو پیغمبری خدا نے دی
کفن کی فکر ہمارے لئے بھی واجب ہے
نقاب کی جو تمہیں مشورت حیا نے دی
عزیز داغِ محبت کو رکھتے ہو آتش
نشانی اپنی ہی کس لالہ گوں قبا نے دی

سمجھتے ہیں مرے دل کی وہ کیا نافہم و ناداں ہیں
حضورِ شمع بے مطلب نہیں پروانہ آتا ہے

طلب دنیا کو کر کے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیال آبروئے ہمت مردانہ آتا ہے

صبا کی طرح ہر اک غیرتِ گل سے ہیں لگ چلتے
محبت ہے سرشت اپنی ہمیں یارانہ آتا ہے

خدا کا گھر ہے بتخانہ ہمارا دل نہیں آتش
مقامِ آشنا ہے یاں نہیں بیگانہ آتا ہے

○

جاں بخش لب کے عشق میں ایذا اٹھائیے
بیمار ہو کے نازِ مسیحا اٹھائیے

اب کی بہار میں جو ہمیں لے چلے جنوں
چن چن کے داغ لالۂ صحرا اٹھائیے

مفلس ہوں لاکھ پر یہی دل کو بندھی ہے دھن
یوسف کو قرض لے کے تقاضا اٹھائیے

○

دہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

نہ مڑ کر بھی بے درد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے
دل و دیدۂ اہل عالم میں گھر ہے
تمہارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے

لیا جو بوسہ تو ہنس کر یہ اس صنم نے کہا ۔۔۔ خدا سے شرم نہ اے بندۂ خدا آئی

گدا نواز کوئی شہسوار راہ میں ہے ۔۔۔ بلند آج نہایت غبار راہ میں ہے
عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں ۔۔۔ نہ کوئی شہر نہ کوئی دیار راہ میں ہے
طریق عشق کا سالک ہے واعظوں کی نہ سن ۔۔۔ ٹھگوں کے کہنے کا کیا اعتبار راہ میں ہے
جگہ ہے رحم کی یار ایک ٹھوکر اس کو بھی ۔۔۔ شہید ناز کا تیرے مزار راہ میں ہے
سمند عمر کو اللہ رے شوق آسائش ۔۔۔ عناں گسستہ و بے اختیار راہ میں ہے
نہ بدرقہ ہے نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے ۔۔۔ فقط عنایت پروردگار راہ میں ہے
بجائیں آپ ابھی دوپہر ہے گرمی کی ۔۔۔ بہت سی گرد بہت سا غبار راہ میں ہے
پتہ یہ کوچۂ قاتل کا سن رکھ اے قاصد ۔۔۔ بجائے سنگ نشاں اک مزار راہ میں ہے
تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل نہ ٹھہر آتش ۔۔۔ گل مراد ہے منزل میں خار راہ میں ہے

عدم سے جانب ہستی تلاش یار میں آئے ۔۔۔ ہوائے گل سے ہم کس وادی پرخار میں آئے
اشارہ ہے یہی ان کے لب شیریں کے خالوں کا ۔۔۔ ملانے کو نمک ہم شربت دیدار میں آئے

گئے جس بزم میں روشن چراغِ حسن سے کر دی — بہارِ تازہ آئی تم اگر گلزار میں آئے
کیا ہے حسن نے سلطانِ خوباں چاہئے تم کو — ملے داد انکی فریادی جو ہیں سرکار میں آئے
بجا کرتے ہیں نحوی احتمالِ صدق کذب آتش — بہت سے مختلف احوال بھی اخبار میں آئے

معرفت میں تیری ذات پاک کے
اڑتے ہیں، ہوش و حواس ادراک کے

میری لائبریری کی مطبوعات

*ابوبکر صدیق اکبر	۵٫۰۰
عمر، فاروق اعظم	۱۰٫۰۰
دس بڑے مسلمان	۴٫۰۰
خالد، سیف اللہ	۲٫۵۰
المامون	۲٫۵۰
الہارون	۲٫۵۰
ابوذر غفاری	۲٫۰۰
سلطان محمد فاتح	۱٫۵۰
الحسین	۱٫۵۰
رابعہ بصری	۱٫۵۰
امیر معاویہ	۱٫۲۵
عمر بن عبدالعزیز	۱٫۲۵
امام زین العابدین	۱٫۲۵
الزہرا	۱٫۰۰
تذکرہ	۳٫۷۵
قلوپطرہ	۳٫۷۵
روپ متی	۲٫۵۰
سلطانی محلوں کے راز	۳٫۷۵
شیخ عبدالقادر جیلانی رح	۱٫۲۵
*ادب کا تنقیدی مطالعہ	۲٫۲۵
میرزا ادیب، بہترین افسانے	۲٫۵۰
احمد ندیم، بہترین افسانے	۳٫۷۵
زاد راہ	۲٫۲۵
فاصلے	۲٫۰۰
میرے بھی صنم خانے	۳٫۰۰
غبار خاطر	۳٫۷۵
پتھر کا دیس	۳٫۷۵
سہرے کے پھول	۳٫۰۰
منزل منزل دل بھٹکے گا	۲٫۵۰
دل بھولتا نہیں	۱٫۵۰
دیوان غالب (فارسی)	۸٫۰۰
انتخاب غالب	۰٫۵۰
لذت آوارگی	۳٫۰۰
پنجابی ادب کی تاریخ	۳٫۰۰
دغاباز (ڈرامہ)	۱٫۲۵
تیسری عورت	۳٫۰۰
چاند روشن نہیں ہے	۳٫۰۰

ننگی دھرتی	۵٫۰۰
63 کے منتخب افسانے	۲٫۵۰
*جینے کی اہمیت	۶٫۰۰
میٹھے بول میں جادو ہے	۳٫۵۰
پریشان ہونا چھوڑیئے	۳٫۵۰
گفتگو اور تقریر کا فن	۲٫۵۰
مانیں نہ مانیں	۲٫۵۰
جنس کا نفسیاتی پہلو	۳٫۰۰
جنس کا جسمانی پہلو	۲٫۵۰
زندگی کے موڑ پر	۲٫۲۵
شادی اور کامیابی	۲٫۲۵
روزمرہ نفسیات	۲٫۰۰
نفسیات اور عمل	۲٫۰۰
زندگی اور عمل	۱٫۵۰
نفسیات کی روشنی	۱٫۵۰
ترقی کی راہیں	۲٫۰۰
ہماری عادتیں، ہمارے جذبات	۱٫۰۰
دولت نامہ	۲٫۵۰
*بہترین انشائی ادب	۵٫۵۰
حماقتیں	۳٫۰۰
مزید حماقتیں	۳٫۷۵
پرواز	۱٫۷۵
لہریں	۱٫۷۵
راجا صاحب	۱٫۷۵
چراغ تلے	۱٫۵۰
گرما گرم (لطیفے)	۱٫۵۰
ڈھول کا پول (کارٹون)	۱٫۰۰
سنگ و خشت	۱٫۵۰
شیشہ و تیشہ	۱٫۵۰
گرد کارواں	۱٫۵۰
چنگ و رباب	۱٫۵۰
نرم گرم	۱٫۵۰
بال و پر	۱٫۵۰
نوک نشتر	۱٫۵۰
اندیشۂ شہر	۲٫۰۰
حلال و حرام (مذہب)	۲٫۲۵
معلومات کا انسائیکلوپیڈیا	۳٫۵۰
شیر، شیر، شیر (شکار)	۳٫۰۰

DEWAN-E-ATISH--Dr. Waheed Quraishi Rs. 1.50



خواجہ آتش (۱۷۷۸ء تا ۱۸۴۶ء)

خواجہ حیدر علی آتش کے والد خواجہ علی بخش نواب شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد چلے گئے تھے، وہیں ۱۷۸۶ء میں آتش پیدا ہوئے۔ معقول تعلیم سے محروم رہے۔ نواب محمد تقی ترقی کی سرکار سے وابستہ تھے، ترقی ۱۲۳۰ھ میں فیض آباد سے لکھنؤ آئے غالباً آتش بھی اسی زمانہ میں لکھنؤ آ گئے، مصحفی کے شاگرد تھے۔

تصنیف: کلیات آتش۔



حسرت موہانی (۱۸۷۸ء تا ۱۹۵۱ء)

سید فضل الحسن حسرت موہانی، موہان ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے۔ سادات نیشاپوری خاندان سے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے بی۔ اے کیا۔ یہیں آن کی شاعری پروان چڑھی۔ ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو انتقال کیا۔ انوار باغ میں سپرد خاک کئے گئے۔

تصانیف: انتخاب سخن، نکات سخن، کلیات حسرت (مرتبہ بیگم حسرت)۔



ڈاکٹر وحید قریشی

پیدائش ۱۴ فروری ۱۹۲۵ء وطن گوجرانوالہ ایم۔ اے (فارسی) ۱۹۴۶ء (تاریخ) ۱۹۵۰ء، پی۔ ایچ۔ ڈی (فارسی) ۱۹۵۲ء، اردو ۱۹۶۲ء صدر شعبۂ تاریخ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۶ء، صدر شعبۂ فارسی اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور (۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۲ء) اورینٹل کالج لاہور (۱۹۶۲ء تا حال) اردو، فارسی، پنجابی اور تاریخ پر تحقیقی و تنقیدی مقالات کے علاوہ فارسی اور اردو میں شعر بھی کہتے ہیں۔ تصانیف: ''شبلی کی حیات معاشقہ، مقدمہ شعر و شاعری، میرحسن اور ان کا زمانہ، اردو کا بہترین انشائی ادب، انتخاب سودا، مطالعۂ حالی، اور بہترین شخصیت نگاری ہیں۔